تذکرہ وسوانح

مولانا شیخ رشید الحق خان عابد

آفتابِ معرفت
شیخ المشائخ حضرت خواجہ خان محمدؒ

رفتم وازرفتنِ من عالمے تاریک شد   من مگر شمعم چوں رفتم بزم برہم ساختم

آنحضرت جل سلطانہ کی خلاقی وصناعی کا کیا کہیے کہ اس نے باوجود قدرتِ تامہ کے اپنی حکمتِ بالغہ سے نوع بنی آدم کو مختلف الاستعداد والحیثیۃ بنایا، جس کو خبیث النفس اور مبغوض جانا؛ اس کو کفر وشرک اور بُعد کی تاریکیوں میں دھکیل دیا، یا خلق کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی قعرِ مذلت میں گرا کر لعنتوں کا مستحق ٹھہرایا اور ''نولہ ماتولی'' کی سزا سنائی اور جس کو شریف النفس پایا؛ اس کو پسند فرما کر ایمان وعمل صالح کے انوار سے مزین فرمایا اور جس کو مقعدِ صدق کے لائق پایا، اُس کو اپنے در پہ بٹھا کر قرب ومعرفت اور لذت آشنائی بخشی۔ پھر لهم البشریٰ فی الحیوۃ الدنیا وفی الآخرۃ کی نوید سنائی۔ فالحمد لمن قدّر خیراً و خبالاً۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے   جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

پھر بخاطرِ مصلحت اپنے نظامِ خیر وشر کی کشاکش کو تا قیامت جاری رکھنے کے لیے ہر دور میں، ہر استعداد کے مظاہر ِ خیر وشر پیدا فرمائے۔ اگر ایک طرف مظاہر خیر میں اصحاب صفا پیدا فرمائے، تو مظاہر شر میں اصحاب ِکدورت ظاہر فرمائے۔ اگر اِدھر فنافی اللہ کے حامل پیدا فرمائے، تو اُدھر فنافی الشیطان ظاہر فرمائے۔ اگر مظاہرِ خیر میں استعداد عالی کی بنا پر اِنسلاخ عن الشر کو وجود بخشا تو مظاہر شر میں اِنسلاخ عن الخیر سے نظام جاری رکھا۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا اِمروز   چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

گویا کہ ہر زمانے میں لکل فرعون موسیٰ کا اصول جاری رہا۔ چنانچہ آخری دور میں مہدی اور دجال اسی انسلاخ عن المادۃ کے مظاہر ہوں گے۔ الفِ ثانی میں حضرتِ حق جل مجدہٗ نے دینِ اکبری کو بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے امام ِربّانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کی براہ راست تربیت فرما کر اُن کو اپنے قرب ومعرفت کے انتہائی اعلیٰ مراتب عنایت فرمائے جو بڑے بڑے اکابر مشائخ امت کے وہم وگمان میں بھی نہ تھے اور کم ترك الأوّل للآخر کا مصداق بنے۔ نسبتِ مجدّدیہ انہی مراتب سے عبارت ہے۔ پھر آنحضرت جل سلطانہ نے اس نسبتِ مجددیہ کی چوٹیوں پر فائز ہونے کے لیے جن چند برگزیدہ شخصیات کو منتخب فرمایا، اس آخری دور میں انہی میں سے قیّومِ زمان اعلیٰحضرت خواجہ ابوالسعد احمد خان قدس سرہ

بانی خانقاہ سراجیہ کی ذات گرامی تھی۔ حضرت حق جل مجدہٗ جب کسی کو نوازنے کا ارادہ فرماتے ہیں، تو خلقِ اسباب و رفعِ موانع بھی خود فرما دیتے ہیں۔ چنانچہ امامِ وقت شہنشاہِ معرفت مخدوم العلماء والمشائخ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ قدس سرہ کی تربیت کے لیے اعلیٰ حضرت قیومِ زمان کوان کے ہاں بھجوایا۔

پھر ان کی نگرانی میں اعلیٰ علم وعمل سے نوازا۔ پھر حضرت ثانی قدس سرہ کی تربیت میں عین جوانی میں نسبتِ مجدّدیہ کی بلندیوں سے سرفراز فرمایا اور پھر کم وبیش پچاس سال سے زائد عرصہ تک شہنشاہِ معرفت اور امام ہونے کا شرف بخشا! حق یہ ہے کہ اتنی بڑی سعادتیں امت میں خال خال ہی کسی کو نصیب ہوئی ہیں۔ ولی را ولی می شناسد کے ضابطہ کے تحت اگرچہ کسی ادنیٰ ولی کو بھی ولی کے بغیر دوسرا نہیں پہچان سکتا، چہ جائیکہ امامِ وقت کو کوئی پہچانے، خصوصاً جبکہ اعلیٰ ظرفی، خاموشی ٔ طبع اور اِخفاءِ حال کی بنا پر امتیازی تعلّی ورسمی بہتری کا بھی دور پار تک کوئی شائبہ نہ ہو۔ حق یہ ہے کہ اس پچاس سال کے عرصہ میں انہی وجوہ کی بنا پر بڑے بڑے اکابرِ علم واساطینِ روحانیت میں سے شاید ہی کسی نے حضرت کی ذاتِ عالی کو کما حقہا پہچانا ہو۔ ظاہر ہے کہ جس کسی کے مقاماتِ قرب کا علم ہی کسی کو نہ ہو تو ان تک رسائی کا علم کسی کو کیسے ہو سکے گا؟! چنانچہ ایک دفعہ اس نادان نے جرأت کرتے ہوئے حضرت خواجہؒ سے عرض کر ہی دی: کہ معتقدین میں سے شاید ہی کوئی آنحضور کی بلندیٔ مرتبت کو جانتا ہو، حضرت نے مسکرا کر فرمایا: ''آپ کی بہت مہربانی''۔

راقم الحروف سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ معصومیہ میں شیخ المشائخ حضرت شیخ سید صفی اللہ شاہ بخاری قدّس سرہ کا مرید، تربیت یافتہ اور خاتم الخلفاء ہے؛ جو کہ فاضل دیو بند تھے۔ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے شاگردِ خاص اور شیخ العرب والعجم مولانا عبد الغفور مدنیؒ کے سات سلاسل میں خلیفہ اَجل تھے۔ اپنی وضع قطع، بود وباش اور ریاضت کے اعتبار سے اکابر مشائخ متقدمین کا کامل نمونہ تھے اور یہ نادان سلسلہ مجددیہ بنّوریہ میں شیخ المشائخ خواجہ مظفر الدین سید پوری قدس سرہ اور خواجہ محمد سعید کوہستانی قدس سرہ کا خلیفہ ہے۔ دونوں حضرات قطب وقت خواجہ شمس الدین سید پوری بنوری قدس سرہ کے خلفاء تھے، جبکہ اوّل الذکر صاحبزادے بھی تھے۔ دونوں نے تقریباً سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ دونوں حضرات مجھ کم نصیب پر بہت ہی مہربان تھے۔ اوّل الذکر کی سو سالہ زندگی کا سب سے چہیتا خلیفہ اور ثانی الذکر کی سو سالہ زندگی کا واحد خلیفہ ہونے کا شرف حضرتِ حق نے عنایت فرمایا! میرے اس بنوری سلسلے کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نالائق کی معلومات کے مطابق عالم اسلام میں پھیلے ہوئے مجددی سلاسل میں سب سے عالی سند سلسلہ ہے۔ باوجود بلندیٔ مرتبت کے حضرت خواجہؒ اور امام ربانیؒ کے درمیان بارہ یا تیرہ واسطے ہیں، جبکہ مجھ نالائق اور امام ربانیؒ کے درمیان صرف نو واسطے ہیں۔ سند کا عالی ہونا علومِ ظاہرہ میں خصوصاً فنِ حدیث میں اگرچہ بہت اہمیت کا حامل ہے، لیکن فنِ تصوف میں جس کا مدار بلندیٔ قرب ومرتبت پر ہے، سند کا عالی ہونا زیادہ سے زیادہ فی الجملہ اہمیت رکھتا ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

حضرت خواجہؒ کے ساتھ مجھ نالائق کو بچپن سے ہی اعتقاد تھا۔ معلوم نہیں کہ عالمِ اسباب میں اس کی وجہ کیا بنی تھی؟! لیکن بندہ کے برادر کبیر قاری محمد اشرف خان ماجد (مرحوم) کے حضرت خواجہؒ سے بیعت کرنے پر اس اعتقاد کو مزید تقویت ملی۔ لیکن باضابطہ استفادے کا موقع مندرجہ بالا مشائخؒ سے ہی ملا۔ آخر عمر میں حضرت خواجہؒ سے خط وکتابت بھی چند بار ہوئی اور زیارت اور صحبت شریفہ میں حاضری کی سعادت بھی چند بار ملی اور علمی وروحانی استفادے کا موقع بھی نصیب ہوا۔ آٹھ،

دس بار حضرت نے شفقت فرماتے ہوئے تنہائی میں نجی ملاقات کا موقع بھی عنایت فرمایا اور چند بار مختلف مواقع ومقامات میں مجامع میں ملاقات کا موقع بھی ملا۔ نظرِ کشفی سے بندہ کی روحانیت وحقیقت کو دیکھتے ہوئے اسباق کی نشاندہی اور راہنمائی بھی فرماتے رہے۔ ماوشما کے لیے جس شخصیت کا تعارف ہی ناممکن ہو اس کے بارے میں مجھ بے بضاعت کا کچھ ذکر کرنا اگرچہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا لیکن:

ما تماشا کنانِ کوتہ دست تو درختِ بلند وبالائی

کا اعتراف کرتے ہوئے یہ نادان صحبت شریفہ میں اخذ کردہ، چند علمی وروحانی فیوض وبرکات کا ذکر کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگرچہ اس سے حضرت کے کسی ادنیٰ کمال کی عکاسی بھی نہیں ہو سکے گی۔

ہزار بار بشویم دَہن زمشک وگلاب ہنوز نامِ تُو گفتن کمال بے ادبی است

بلندیٔ مرتبت

آنحضرت جل سلطانہ نے امامِ وقت حضرت خواجہؒ کو تمام کمالاتِ ظاہری وباطنی، علمی، عملی وروحانی سے بھرپور نوازا تھا۔ بندہ نے اپنی حیات میں جن اکابر علماء ومشائخ کی زیارت کی؛ کسی کو بھی جامعیت کمالاتِ ثلٰثہ میں حضرت خواجہؒ کے برابر نہیں پایا۔ خاص طور پر فنِ تصوف کے تمام لوازم وآثار کا حامل، نیز بیعت، معرفت وحقیقت کے رموز واسرار کا پورا پورا آشنا حضرت عالی کے ہم پلہ کوئی شخص عالم اسباب میں قریب قریب ناممکن تھا۔ اوائل شباب میں اپنی کم ظرفی وپست ھمتی کی بنا پر بندہ کا خیال تھا، کہ نسبت مجددیہ کے انتہائی اعلیٰ وآخری مراتب، بالخصوص ''کمالات وحقائق'' کے حامل لوگ اس دور میں نہیں ہوا کرتے۔ چنانچہ آج سے اٹھارہ سال قبل حضرت کے سامنے حضرت کے اسی مکتوب پر تبصرہ کرتے ہوئے جو آخر میں درج کیا جائے گا، بندہ نے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تو مسکرا کر فرمایا: ''کہ تمہارا خیال درست نہیں، بلکہ اس نسبت کے حامل لوگ اس دور میں بھی موجود ہیں''۔ چنانچہ بندہ نے استشہاد کے طور پر امام الہند شاہ ولی اللہؒ کے معاصر مرزا مظہر جانجاناںؒ کا قول نقل کیا کہ انہوں نے اپنے آخری دور میں سالکین کی سست روی کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ عنقریب کمالات کا دروازہ بند ہو جائے گا اور ولایت کا کھلا رہے گا، حقائق تک رسائی تو بہت متعذر رہے۔

لگے ہاتھوں حضرت مرزا مظہر جانجاناںؒ کا تعارف بھی کراتا چلوں کہ مرزا صاحبؒ کس پائے کی شخصیت تھے؟! امام الہند شاہ ولی اللہؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیت، جو اپنی اعلیٰ ظرفی اور عالی نفسی کی بنا پر بہت کم کسی کی معتقد تھی اور حسب عادت بہت کم کسی کے لیے تعریفی کلمات فرمائے ہیں، لیکن باوجود مرزا صاحبؒ کے معاصر ہونے کے شاہ صاحبؒ کا فرمان ہے:

> ''اللہ پاک نے مجھے اتنا اعلیٰ کشفِ صحیح عنایت فرمایا کہ کسی وقت پوری دنیا میرے سامنے ایسے منکشف ہوتی ہے جیسے ہاتھوں کی لکیریں۔ میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ اس وقت دنیا کی کسی اقلیم میں مرزا صاحبؒ جیسی شخصیت موجود نہیں۔ وہ قیم طریقہ احمدیہ ہیں۔ جو بھی نسبت مجددیہ کی تحصیل چاہتا ہو، اپنے آپ کو مرزا صاحبؒ تک پہنچائے''۔

بلکہ یہاں تک فرمایا کہ اتنی بلند شخصیات متقدمین میں بھی خال خال ہوئی ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے بندہ سے مرزا صاحبؒ کا قول سن کر فرمایا کہ اس سے مرزا صاحبؒ نے اپنی وفات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ بندہ نے عرض کی: کہ ''کمالات و حقائق'' کا دروازہ بند ہونے سے اگرچہ وفات کی طرف اشارہ ممکن ہے، لیکن ''ولایات کا دروازہ کھلا رہے گا'' سے نسبت

کے تنزل پذیر ہونے کی طرف واضح اشارہ ہے۔ حضرت خواجہؒ مسکرا کر قدرے خاموش رہے؛ پھر فرمایا کہ مقاماتِ ''کمالات و حقائق'' کے قوۃ وضعف میں فرق ممکن ہے، ورنہ نفس کمالات حقائق اس دور میں بھی حاصل ہیں۔

تو وطوبی وما وقامتِ یار فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

قارئین کو معلوم رہے کہ مقامات کمالات وحقائق آنحضرت جل سلطانہ کے قرب کے انتہائی مقامات میں سے ہیں جن سے بالاصالتہ تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰات والتسلیمات ہی بہرہ ور ہوتے ہیں، لیکن امتیوں میں سے بھی گنے چنے افراد انتہائی اعلیٰ استعداد اور انتہائی اعلیٰ متابعت کی بنا پر فیضیاب ہوتے ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ سالک جس نبی کے زیرِ قدم ہوتا ہے، اس کی حقیقت سے متحد ہونے کے بعد حضرت حق کی طرف سے اپنے ساتھ وہی معاملات پاتا ہے جو اس نبی علیہ السلام نے پائے اور بغیر کسی وساطت کے براہِ راست حضرت حق جل مجدہ سے مستفیض ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دور حاضر کے اعتبار سے انتہائی اعلیٰ سعادت ہے جس کا مندرجہ بالا مکالمہ میں در پردہ حضرت خواجہؒ نے اعتراف فرمایا؛ اور حق یہ ہے کہ یہ نعمت نسبت ولایت سے بالاتر ہے۔ ''کمالات نبوت اور نسبت مجددیہ'' کے خصائص میں سے ہے۔

بے نفسی

دین و دنیا کی کوئی نعمت بھی جب حضرتِ حق جل شانہ کی طرف سے کسی کو عنایت ہوتی ہے؛ خاص طور پر جب کوئی بڑا منصب مل جائے تو جب تک منعم علیہ بہت اعلیٰ ظرف اور وسیع الصدر نہ ہو، تب تک بڑوں بڑوں سے بھی خودنمائی کا عنصر ضرور شامل ہو جاتا ہے، لیکن حضرت خواجہؒ اس سلسلے میں بہت اعلیٰ ظرف واقع ہوئے تھے۔ بارہا بار بندہ نے مختلف حیلوں بہانوں سے کریدنے کی کوشش کی لیکن کیا مجال ہے کہ کبھی خودرائی کا اظہار ہو۔ جیسے کہ آئندہ آنے والے مکتوبات سے بھی معلوم ہوگا۔ حضرت خواجہؒ کو آنحضرت جل سلطانہ نے مسلسل پینسٹھ (۶۵) حج ارزانی فرمائے تھے جو کہ ایک نایاب یا کمیاب سعادت ہے!! بندہ نے ایک دفعہ عرض کی کہ جیسے حضرت عروۃ الوثقی خواجہ معصوم قدس سرہ نے ''یاقوتِ احمر'' کے نام سے اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ نے ''فیوض الحرمین'' کے نام سے اور دیگر اکابر نے مختلف ناموں سے حرمین شریفین میں پیش آمدہ معاملات، فیوضات و برکات کا تذکرہ فرمایا ہے۔ آپ نے تو بہت زیادہ بار حاضری دے کر فیوض و برکات حاصل فرمائے ہیں۔ آپ بھی کچھ تحریر فرماتے؟! برجستہ فرمایا ''کہ مجھے کوئی دعویٰ نہیں، بندہ نے جرأت سے عرض کی: کہ میں دعویٰ کا نہیں عرض کر رہا، بلکہ یہ کہ خلقِ خدا کو اس سے بہت سی معلومات اور استفادہ ہوتا؟ فرمایا کہ کوئی ضرورت نہیں!

اللہ اکبر! کہاں حضرت خواجہؒ جیسے خدا رسیدہ مرشدانِ حقیقی اور کہاں میرے جیسے نالائق رسمی اور نمائشی پیر۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک! اسی ضمن میں ایک لطیفہ یاد آ گیا۔ قطبِ وقت خواجہ شمس الدین سید پوری بنوری قدس سرہ کے ایک خلیفہ ریل گاڑی کے سفر میں تھے۔ ایک کحیم شحیم رسمی پیر صاحب بڑے طمطراق سے چار آدمیوں کی سیٹ پر قبضہ کر کے ایسے ہی براجمان تھے۔ خلیفہ صاحب اسی سیٹ کے ایک کونے پر مشکل اڑ کر بیٹھ گئے اور بار بار پیر صاحب کی طرف لجاجت آمیز نظروں سے دیکھا کہ میں تنگ بیٹھا ہوں؛ شاید پیر صاحب تھوڑا سمٹ کر میرے لیے کچھ گنجائش پیدا کریں۔ لیکن پیر صاحب ٹس سے مس نہ ہوئے اور نہ ہی خلیفہ صاحب کی روحانیت کو پرکھ سکے۔ آخر خلیفہ صاحب نے عرض کر دی: کہ حضور! اگر تھوڑا اکلوز ہو جائیں تو میرے لیے گنجائش نکل سکتی ہے۔ پیر صاحب جو کہ کافی دیر سے خودنمائی کے لیے پر تول رہے تھے لیکن موقع نہیں مل رہا تھا

؛فوراً غصے سے گردن کو خاص انداز میں تاؤ دے کر بولے: آپ کو معلوم ہے کہ میرے چار لاکھ مرید ہیں؟! خلیفہ صاحب نے عرض کی: کہ حضور میں نے تو مریدوں کی تعداد پوچھی بھی نہیں، نہ ہی اس سے میری کوئی غرض ہے کہ مجھے تو بیٹھنے کے لیے ڈیڑھ فٹ جگہ چاہیے!! ظاہر ہے کہ ایسے خودنما پیروں سے کس کی کیا اصلاح ہو گی؟!

خداوند تیرے در تک رسائی کتنی مشکل ہے   یہ زاہد نفس پرور تیرے دربان بن کے بیٹھے ہیں

کشف وکرامات

کشف وکرامات اگرچہ ولایت کی شرط نہیں؛ لیکن کم وبیش صوفیانہ ولایت کے لوازم وآثار میں سے ہے۔ طریق تصوف میں آنحضرت جل سلطانہ کا شاید ہی کوئی ایسا پاک باطن برگزیدہ بندہ ہو جو کم وبیش اس سے خالی ہو۔ خواہ وہ خود سمجھے یا نہ سمجھے۔ حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ جن کی سجادگی کا زمانہ چوّن سالہ (۵۴) طویل عرصہ پہ محیط ہے۔ لاکھوں مریدین اور متوسلین حضرت خواجہؒ سے فیض یاب ہوئے۔ ہزاروں معتقدین نے موقع بموقع ان سے کشف وکرامات کا صدور دیکھا جو کہ معتقدین میں ہر خاص وعام کی زبان پر ہیں۔ راقم الحروف اپنے ساتھ پیش آمدہ دو واقعاتِ کشف کا ذکر کرے گا:

پہلا واقعہ: خانقاہ شریف میں گرمیوں میں عصر کی مجلس میں بندہ بھی حاضر تھا۔ حضرت کے حجرہ شریفہ اور مسجد کے صحن کے درمیان کھلی فضا میں مجلس ہوتی تھی۔ حضرت چارپائی پر تشریف فرما تھے اور چند معتقدین حضور کا بدن مبارک دبا رہے تھے۔ بندہ بھی آہستہ آہستہ قریب پہنچا دبانے والے ساتھی نے حضرت کا بازو اس انداز سے تھام رکھا تھا، کہ دست مبارک مجھے نظر آ رہا تھا؛ بندہ چونکہ پامسٹری کا شوق بھی رکھتا تھا۔ خیال ہوا کہ حضرت کے دست مبارک میں کونسی ایسی لکیر ہے جو حضرت کے امامِ وقت ہونے پر دال ہے؛ دیکھنا چاہیے۔ بندہ نے غیر محسوس طریقے سے مزید قریب ہونے کی کوشش کی۔ حضرت نے مکشوف ہونے پر فوراً لطیف حیلے سے دست مبارک کا رخ اپنی طرف فرما کر مٹھی بند کر لی اور دو، تین بار بندہ کی طرف خاص نظروں سے دیکھا اور آخر تک مٹھی بند ہی رکھی۔

دوسرا واقعہ: حضرت خواجہ اپنی افتادِ طبع اور خاموشی کی بنا پر بوقت ملاقات عام طور پر رسمی علیک سلیک پر ہی اکتفا فرماتے تھے۔ بہت ہی اخص الخواص حضرات سے معمول سے زائد انبساط بھی کبھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت اسلام آباد تشریف لائے ہوئے تھے۔ بندہ حاضر ہوا۔ گھر کے کسی بچے نے بتایا کہ حضرت کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ چنانچہ بندہ نے باہر گلی میں ہی چہل قدمی میں بہتری سمجھی۔ خیال ہوا کہ اندر مجمع بھی ہوگا، سرسری سی ملاقات ہو سکے گی۔ کاش کہ حضرت خود ہی خلاف معمول کافی انبساط وشفقت فرمائیں! چنانچہ حضرت کے فارغ ہونے پر بندہ حاضر ہوا۔ حضرت نے بوقت سلام خلاف معمول بندہ کا ہاتھ کافی دیر تھامے رکھا اور حال احوال پوچھتے رہے۔ بالآخر بندہ اپنے خیال اور خواہش پہ مسکرا دیا۔ حضرت بھی مجھے دیکھ کر مسکرائے اور پھر ہاتھ چھوڑ دیا۔ اسی طرح میرے علاوہ ہزاروں معتقدین کیساتھ ایسے واقعات بارہا بار پیش آئے ہوں گے جو کہ حضرت کے انتہائی روشن ضمیر ہونے پر دال ہیں۔

حافظہ

محدثین، فقہاء اور علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اوصاف میں حافظے کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے اور ان کی سوانح میں

اس کا خاص ذکر ملتا ہے۔ جو کہ وھبی اور کسبی دونوں طرح کا ہوسکتا ہے۔ گناہوں سے تحفظ، خصوصی طور پر نظروں کی حفاظت سے اس کا خاص تعلق رہا ہے۔ لیکن عام ضابطے کے برعکس تصوف میں کمال کا مدار چونکہ فنا و بقا پر ہے جو کہ ما سوا کے نسیان پر مرتب ہے۔ اسی لیے صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں ایسے ایسے مستغرق الحال لوگ بھی بکثرت ہوئے ہیں جو اپنا نام تک بھول جاتے تھے، لیکن حضرت خواجہؒ باوجود انتہائی اونچے صوفی صافی ہونے کے کمال درجہ کا صحو و بقا بھی رکھتے تھے۔ اس لیے حافظہ بھی بہت قوی رکھتے تھے۔ خانقاہ کی طرف سے ایک بار ''دلائل الخیرات'' طبع ہوئی جس کے شروع میں درودِ تاج بھی طبع ہوا۔ ایک ٹھیٹھ مولویانہ ذہن رکھنے والے ساتھی نے کہا کہ اس میں کچھ الفاظ موہم شرک ہیں! بندہ اتفاق سے اپنی کسی مقصد کے لیے حضرت خواجہ کو خط ارسال کر رہا تھا۔ اس نے بھی یہ اشکال لکھ کر بھیج دیا۔ حضرت خواجہؒ نے جواب میں ''دلائل الخیرات'' کے شروع میں درودِ تاج کی طبع سے لاعلمی اور بے تعلقی ظاہر فرما کر معذرت فرمائی۔ بات آئی گئی ہوگئی۔

اس واقعے سے تین سال بعد بندہ پہلی بار خانقاہ شریف زیارت کے لیے حاضر ہوا تو غالباً دوسرے دن حضرت خواجہؒ نے ایک عبارت بندہ کے سامنے رکھ دی فرمایا کہ اس عبارت پر شرعاً کوئی اشکال تو نہیں؟! بندہ نے عرض کی: کہ اگر ''با'' سببیت کے لیے لیں، علت کے لیے نہ لیں تو بظاہر کوئی اشکال نہیں۔ حضرت نے فوراً مسکرا کر فرمایا کہ پھر لوگ درودِ تاج پر کیوں اعتراض کرتے ہیں!! سچ یہ ہے کہ درودِ تاج والا مندرجہ بالا قصہ بندہ کے اپنے ذہن سے نکل چکا تھا، لیکن حضرت کے فرمانے سے ذہن میں تازہ ہوا اور حضرت کے قوی حافظے کی داد دینی پڑی۔

عشقِ امام ربّانیؒ

اگرچہ مجددی سلسلے کے ہر شابّ و شیخ کو امام ربانی سے خصوصی محبت ہوتی ہے لیکن حضرت خواجہؒ کو امام ربانیؒ سے غایت درجہ محبت تھی۔ اتفاق سے ایک بار مجلس میں بندہ نے عرض کی: کہ خاتم المحدثین علامہ انور شاہ کاشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ امام ربانیؒ کے خلیفہ اجل شیخ آدم بنوریؒ کے بعض مَلَکات، امام ربانیؒ سے زیادہ قوی تھے۔ خلاف معمول سن کر حضرت چیں بجبیں ہوئے اور فرمایا کہ کاشمیری صاحب نے کون سی نسبت مجددیہ حاصل کی ہوئی تھی کہ ان کو یہ کہنے کا حق ہو؟!!

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ نماز کے تشہد میں رفع مسبحہ کے قائل نہیں تھے اور ان کے عاشق صادق تمام حاملین نسبتِ مجددیہ بھی اسی نسبت سے رفع مسبحہ نہیں فرماتے تھے۔ حضرت خواجہؒ کا بھی معمول عدم رفع کا تھا۔ اسی طرح رئیس المحدثین حضرت مولانا حسین علیؒ بھی عدم رفع کے قائل تھے۔ امام ربانیؒ نے مکتوبات میں فقہی روایات سے مدلل ایک مکتوب عدم رفع مسبحہ پر بھی تحریر فرمایا ہے۔ ایک دن بندہ نے حضرت خواجہؒ سے عرض کی کہ آپ کے تشہد میں اشارہ نہ فرمانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: کہ تم نے مجدد صاحبؒ کا مکتوب نہیں پڑھا؟ بندہ نے عرض کی کہ بندہ نے مرزا صاحبؒ کا مکتوب بھی پڑھا ہے۔ (مرزا صاحب نے اثبات رفع مسبحہ پر مکتوب تحریر فرمایا ہے اور باوجود مجددی اور عاشق امام ربانی ہونے کے مجدد صاحب کے قول کو فقہی اعتبار سے مرجوح قرار دیا ہے۔) حضرت میرا جواب سن کر مسکرائے اور فرمایا کہ حضرت مجددؒ کے صاحبزادہ ثانی خواجہ محمد سعیدؒ نے عدم رفع پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمائی ہے۔ بندہ نے عرض کی: کہ مجھے امام ربانیؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے خواجہ محمد یحییٰؒ کے اثبات رفع پر مستقل تصنیف کا بھی علم ہے۔ حضرت جواب سن کر محظوظ ہوئے اور مسکراتے رہے۔ آخر میں بندہ نے عرض کی کہ ہماری حنفی فقہی روایات کا سب سے بڑا ماخذ اور سند تو امام محمدؒ ہیں۔ وہ خود

فرمارہے ہیں: "وبہ نأخذ وھو قول أبي حنیفة" کہ ہمارے امام ابوحنیفہؒ کا یہی قول وعمل ہے؛ رفع مسبحہ، اور اسی پر ہمارا عمل ہے تو پھر کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے! حضرت نے مسکرا کر فرمایا: کہ بھئی آپ کیا کریں، آپ کو کون روکتا ہے؟

سکوتِ دائمی

ہر سلسلے کی اپنی خصوصیات ہوا کرتی ہیں سلسلہ نقشبندیہ کی بنا ہی چونکہ ذکر خفی پر ہے۔ اس لیے خاموشی سے صحبتِ شیخ میں اپنے لطائف اور اسباق کی طرف متوجہ رہ کر فیوض وبرکات اخذ کرنے کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ حضرت خواجہؒ اسی اصول کی بنا پر ہمیشہ خاموش رہتے تھے۔ احادیث میں خواجہ کائنات حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کان کثیر الصمت کے الفاظ آئے ہیں اور یہ تو قارئین نے سنا ہی ہوگا: کہ حکمت ودانائی کے دس اجزاء ہیں؛ جن میں سے نو صرف خاموشی میں ہیں اور ویسے بھی اصحابِ عشق ومعرفت کی خاموشی خالی سکوت کا نام ہی نہیں؛ بلکہ: خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید کا مصداق ہوتی ہے۔ نیز من عرف اللّٰہ کلّ لسانہ بھی مسلّمات میں سے ہے۔ ان تمام امور کی بنا پر حضرت خواجہؒ دائم السکوت تھے۔ عوام الناس جو کہ جب تک وعظ ونصیحت یا بیان نہ سن لیں متاثر نہیں ہوتے۔ اسی طرح اس اصول کو نہ سمجھنے والے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی حضرت کی مسلسل خاموشی پہ حیران ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کسی نے عرض کر ہی دی: کہ حضور کچھ فرمائیں؟ تو حضرت خواجہؒ نے امام ربانیؒ کا قول نقل فرمایا:

''جس کو ہماری خاموشی سے فائدہ نہ ہو، اس کو ہمارا کلام کوئی فائدہ نہیں دے گا''

ایک دفعہ اتفاق سے بندہ خانقاہ میں تھا۔ مظفر گڑھ کے علاقے سے ایک عمر رسیدہ سفید ریش، تقریباً حضرت کے ہم عمر ایک صاحب، بڑے باتونی اور چٹورے قسم کے مرید تشریف لائے۔ غالباً کسی دینی مدرسے کے سفیر بھی تھے۔ مجلس شریفہ میں سوائے علیک سلیک کے کوئی بات بھی نہ سن پائے۔ مجلس کے بعد میرے پاس آ بیٹھے اور فرمانے لگے: کہ حضرت تو بالکل بولتے ہی نہیں!! میرے پہلے شیخ خواجہ سعید گوہانویؒ مجھے بہت نصیحتیں فرمایا کرتے تھے۔ بندہ نے عرض کی: کہ اپنی اپنی طبیعت ہے؛ جو بات واقعی ضروری ہو حضرت فرما دیتے ہیں۔ جو نہیں فرماتے وہ ضروری نہیں ہوتی۔ کہنے لگے: کہ میں تو حضرت کی خاموشی سے تھک جاتا ہوں!! حضرت کو کچھ نہ کچھ فرمانا چاہیے۔ بندہ نے عرض کی: کہ بزرگوں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کیا کرتے۔ عصر کی مجلس میں ان صاحب نے حضرت کے کچھ فرمانے کا انتظار کیا لیکن بے سود۔ بالآخر خود ہی بول پڑے کہ: سائیں! میرے پہلے پیر مجھے بہت نصیحتیں کرتے تھے۔ چنانچہ جب ان کی وفات کا وقت آیا تو میں نے عرض کی: کہ آپ تو اب فوت ہو رہے ہیں میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا: کہ میری وفات کے بعد دو آدمیوں میں سے جس کے پاس مرضی ہو چلے جانا: ایک حضرت خواجہ عبداللہ بہلوی شجاع آبادی ہیں اور دوسرے حضرت خواجہ خان محمد کندیاں والے ہیں۔ چنانچہ میں ابھی اسی کشمکش وپیچ میں تھا کہ دونوں میں سے کس کے پاس جاؤں؟! تو کچھ عرصہ بعد خواجہ عبداللہ بہلویؒ بھی وفات پا گئے۔ چنانچہ پھر صرف آپ ہی رہ گئے۔ پھر میں آپ سے بیعت ہوا۔ اس بزرگ کی زبان سرائیکی تھی اور حضرت کے ساتھ بات کا طرز بالکل ہم عمر دوستوں جیسا تھا۔ جس سے حضرت خواجہؒ سمیت پوری مجلس کافی محظوظ ہوئی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ سائیں! چند سال پہلے جو مرید آپ کے پاس آتے تھے کافی سخی ہوتے تھے۔ کوئی مٹھائی لے آتا، کوئی پھل لے آتا، مجھے بھی کھانے کا موقع مل جاتا۔ لیکن اب چند دن سے دیکھ رہا ہوں کہ کافی بخیل مرید آتے ہیں، کوئی چیز نہیں لاتے!!

حضرت نے فرمایا: تمہیں مٹھائی کی خواہش ہے، تمہیں مل جائے گی۔ ان صاحب نے حضرت کی بشاشت کو دیکھتے ہوئے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ دستار کافی سال پہلے آپ نے دی تھی؛ اب بالکل بوسیدہ ہو چکی ہے۔ اس دفعہ نئی دستار مجھے عنایت کرو؛ میں لے کر جاؤں گا۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ مل جائے گی!''

الغرض مجلس شریفہ میں اگرچہ ہر ایک کی خواہش ہوتی ہوگی کہ حضرت کچھ فرمائیں، لیکن حضرت اپنے اصول کی پاسداری فرماتے ہوئے، آفتابِ معرفت ومورد تجلیات ہونے کی بنا پر اپنے فیوضات وبرکات کی ضیاء پاشیوں سے باطنی طور پر مجلس کو گرم رکھتے تھے۔ جس سے اصحابِ بصیرت واستعداد؛ خصوصاً اصحابِ ادراک وکشف پوری طرح مستفیض ہوتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک ہیئت پر جم کر بیٹھنا مشکل ہوتا تھا۔ انوار ہڈیوں میں سرایت کرتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔

دل سلگتا ہے تیرے سرد رویے پہ مرا   دیکھ اس برف نے کیا آگ لگا رکھی ہے

حضرت کی ذات عالی تو نور مجسم تھی۔ مجلس شریفہ سے کسی کے بے فیض اُٹھنے کا تو سوال ہی کیا ہے۔ الّا یہ کہ کوئی بہت ہی شیطان صفت اور خلق کی ایذا رسانی کی بنا پر محروم القسمت ہو تو علیحدہ بات ہے!

تہید ستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل   خضر از آب حیوان تشنہ لب آرد سکندر را

ورنہ حضرتؒ تو جس علاقے میں تشریف فرما ہوتے؛ پورے علاقے کی فضا انوار کی بارش سے سیراب ہوتی تھی۔

ایک دفعہ بندہ بقرعید کے دوسرے دن قطب البلاد حضرتِ لاہور پہنچا۔ دو دن بعد حسب معمول رات کو سویا تو فضا معمول کے مطابق تھی لیکن سحری کو جب اُٹھا تو لاہور شہر کی فضا کو بندہ نے روحانیت سے معمور پایا۔ بڑی حیرت ہوئی؛ کہ ابھی رات کو خلاف معمول کوئی بات نہیں تھی، اب سحری کو یہ روحانیت کہاں سے آئی۔ فوراً ذہن حضرت خواجہؒ کی طرف منتقل ہوا کہ غالباً رات کے کسی حصے میں حضرت خواجہؒ لاہور میں تشریف فرما ہوئے ہیں۔ چنانچہ صبح فجر کے فوراً بعد ناشتے میں بندہ نے میزبان سے کہا کہ شاید حضرت خواجہؒ لاہور میں تشریف لائے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ حضرت چند دن قبل حج پر تشریف لے گئے تھے عید کے فوراً بعد بظاہر واپسی کا کوئی امکان نہیں، لیکن بندہ اپنے ادراک پر مصر تھا۔ چنانچہ ایک ساتھی معلومات کے لیے حضرت کے مخلص قاری نذیر صاحب کے پاس بھیجا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضرت واقعی رات ساڑھے بارہ بجے کی فلائٹ پر تشریف لائے تھے اور ابھی ہی ناشتہ کر کے خانقاہ تشریف لے گئے ہیں۔

شہر تو شہر ہے؛ سچ پوچھو تو کئی بار ایسا بھی ہوا کہ بندہ نے روحانی فضا کو مکدر اور سُونا سُونا پایا۔ خیال ہوا کہ شاید حضرت خواجہؒ ملک میں تشریف فرما نہیں ہیں۔ چنانچہ معلومات کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی حضرت خواجہؒ بیرون ملک کے دورے پر تشریف لے گئے ہوئے ہیں۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو   یدِ بیضاء لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

قصہ عجیبہ: حضرت خواجہؒ اگرچہ آخری سالوں میں مندرجہ بالا سکوت پر بہت کار بند تھے، لیکن اٹھارہ بیس سال قبل کی مجالس میں سوالوں کا خاطر خواہ جواب ضرور مرحمت فرمائے تھے۔ بندہ جب بھی مجلس میں ہوتا تو تصوف کے کسی موضوع پر ضرور پوچھ گچھ کرتا رہتا اور حضرت بھی شفقت فرماتے ہوئے واجبی سا جواب ضرور مرحمت فرماتے۔ اتفاق سے بندہ نے تصوف کی کوئی بات پوچھی تو حضرت بات سنتے ہی فوراً خلافِ معمول اٹھ کر باہر تشریف لے گئے۔ ساری مجلس میری طرف دیکھنے لگی۔ بندہ خود اپنی جگہ پریشان؛ کہ خدانخواستہ کوئی گستاخی مجھ سے ہوئی ہے کیا؟! لیکن مجلس کے ایک حاضر باش، مزاج

شناس نے میری طرف اشارہ کیا کہ آپ بھی حضرت کے پیچھے چلے جائیں۔ بندہ لرزتی ٹانگوں سے حضرت کے پیچھے چل پڑا۔ چنانچہ حضرت کشاں کشاں خانقاہ کی لائبریری میں تشریف لے گئے اور خانہ کتبِ تصوف کے سامنے قیام فرما ہوئے۔ بندہ پیچھے کھڑا رہا۔ حضرت نے کچھ دیر کی تلاش کے بعد تصوف کی مشہور کتاب ''لوائح جامی'' نکالی۔ فہرست دیکھی اور پھر کتاب بندہ کے ہاتھ میں تھمادی فرمایا کہ اس کا فلاں جگہ سے مطالعہ کرلو۔ چنانچہ واپس ہم دونوں حجرہ شریفہ پہنچے۔ دوپہر کی فرصت میں بندہ نے کتاب کا مطالعہ کیا اور ظہر کی مجلس میں عرض کی کہ میں نے کتاب کا مطالعہ کرلیا ہے، لیکن اس میں چند باتیں غلط ہیں!! حضرت نے فرمایا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ بندہ نے وہ مقام کھول کرآگے کردیا۔ حضرت دیکھ کر مسکرائے فرمایا کہ ہاں کتابت کی غلطی سے مضمون غلط ہوگیا ہے۔ پھر رات کی مجلس میں جس میں ساتھی نسبتاً کم ہوتے تھے، بندہ نے وحدۃ الوجود کی بحث شروع کی۔ حضرتؒ نے کافی معلومات افزا جوابات عنایت فرمائے جو آخر میں مکتوب کے بعد بندہ ذکر کرے گا۔ ایک جواب جس پر بندہ نے اشکال ظاہر کیا؛ اس کا جواب با حوالہ دکھانے کے لیے حضرتؒ نے فرمایا کہ اپنے پیچھے موجود الماری سے فلاں کتاب دے دو۔ حضرت نے وہ حوالہ تلاش کرنے کی کافی کوشش فرمائی، لیکن پندرہ منٹ کی جستجو کے باوجود حوالہ نہ مل سکا۔ آخر بندہ نے عرض کی کہ چلو پھر کسی موقع پر تلاش کرلیں گے، لیکن حضرت نے میری بات سنی اَن سنی کردی اور حوالہ کی تلاش جاری رکھی جبکہ بندہ کو پہلے سے علم تھا کہ حضرت خواجہؒ شیخ المشائخ شاہ غلام علی مجددیؒ کا قول مجھے دکھانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جب تلاش کو پون گھنٹے کے قریب وقت ہوگیا اور تمام ساتھی میری طرف بار بار دیکھنے لگے کہ حضرت کو تم نے ویسے مشقت میں ڈال رکھا ہے تو بندہ نے دوبارہ عرض کی کہ حضور صبح تلاش کرلیں گے، لیکن حضرت بدستور ورق گردانی فرماتے رہے۔ بالآخر مجبوراً بندہ کو آخری پتہ پھینکنا پڑا کہ میرے خیال میں حضور مجھے شاہ غلام علیؒ کا ارشاد دکھانا چاہتے ہیں، وہ پہلے سے میرے علم میں ہے۔ حضرتؒ نے مسکرا کر کتاب بند فرمادی اور فرمایا کہ میں وہی دکھانا چاہتا تھا۔ حضرت نے مجھ نالائق کے وسعت مطالعہ کی تعریف بھی فرمائی، نیز شکریہ ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

کمالِ عظیم

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام کے جن چند جلیل القدر مشائخ کرامؒ کو آنحضرت جل سلطانہ نے شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت کی جامعیت کی بنا پر پیری کی پوری پوری حقیقت مع لوازمہا و آثارہا عنایت فرمائی تھی؛ حضرت خواجہؒ اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر ان مشائخ میں خاص مقام کے حامل تھے۔

مشائخ طریقت کی عام طور پر تین اقسام ہر دور میں رہی ہیں۔ بندہ نے بھی تینوں اقسام کو دیکھ رکھا ہے:

قسم اوّل: بعض مشائخ طریقت اگرچہ عملی، حالی اور باطنی طور پر کمالاتِ تصوف سے حسب استعداد خاطر خواہ حد تک متحقق ہوتے ہیں اور بار یاضت ہونے کی بنا پر دوسرے کی تربیت اور اصلاح بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن علمی طور پر تصوف کی حقیقت سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ چنانچہ صاحب استعداد لوگ اگر علمی طور پر کوئی اشکال یا سوال، تصوف کے بارے میں ان سے پوچھیں۔ تو وہ جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں۔ ایسے مشائخ کی کثیر تعداد ہر دور میں خصوصاً آخری دور میں رہی ہے۔

قسم دوم: ایسے مشائخ جو عملی، حالی، روحانی اور باطنی کمالات میں بھی بیچارے کمزور ہوتے ہیں اور علمی طور پر بھی تصوف کے فن سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ ایسے حضرات کو مشائخ کی بجائے پیران کرام کہنا چاہیئے اور مجھ کم نصیب جیسے اکثر پیر

اس دور کے تقریباً ایسے ہی ہیں۔

قسم سوم: ایسے مشائخ کرام جو واقعی سجادہ نشین ہیں۔ شریعت، طریقت اور حقیقت کے تمام پہلوؤں پر علمی، عملی، روحانی غرضیکہ ہر لحاظ سے حاوی ہوتے ہیں۔ کمال و تکمیل میں بھی اعلیٰ مقام رکھتے ہیں؛ فن کے بہترین شارح اور تسلی بخش جواب دہندہ ہوتے ہیں اور تصوف کے دقائق، معارف، رموز و اسرار کے پوری طرح آشنا ہوتے ہیں۔ پہلے ادوار میں ایسے مشائخ بکثرت ہوتے تھے۔ لیکن آخری ادوار میں کم، اور دورِ حاضر میں سوائے حضرت خواجہؒ کے کوئی شخصیت راقم الحروف کی نظر سے اِس پائے کی نہیں گذری۔ فنِ تصوف سے نا آشنا لوگ خواہ عوام ہوں یا خواص، عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ پیری ایک معمولی، عام اور آسان سا کام ہے۔ حتیٰ کہ عوام تو عوام ہیں؛ خواص بلکہ علماء میں سے بھی کئی حضرات یہ کہتے ہوئے پائے گئے ہیں کہ پیری تو ہر بندہ کرسکتا ہے؛ صرف یہی تو بتانا ہوتا ہے کہ اتنی دفعہ فلاں ذکر کیا کرو اور بس۔ حاشا وکلاّ ثم حاشا وکلاّ !!

بلا مبالغہ حق بات یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے تمام کاموں میں سب سے مشکل ترین کام پیری ہے۔ بڑے بڑے لوگ اس فن میں ناقص پائے گئے۔ پیری کیا ہے؟ اس کی حقیقت پر قدرے روشنی ڈالتے چلوں؛ تاکہ مغالطہ دھندگان کی غلط فہمی یا خوش فہمی دور ہوسکے۔

پیری نام ہے: آنحضرت جل سلطانہ کے مراتب قرب میں اپنے کمال اور دوسروں کی تکمیل کا۔ کمال کیا ہے؟ کمال نام ہے تین چیزوں کا:

۱۔ ظاہراً و باطناً پورا پورا متبع شریعت و سنت متقی ہونا۔

۲۔ باطن کا انوارِ حقیقت میں مستغرق ہونے کی بنا پر لطائف عشرہ کا پورا پورا مصفّیٰ و مزکّیٰ، محلّیٰ و مجلّیٰ ہونا۔ قالب کا اعتدالِ حقیقی سے مشرف ہونا۔ مقام بی یسمع و بی یبصر کی بنا پر فنا فی اللہ و بقا باللہ سے مشرف ہونا۔ صاحبِ کشفِ عیانی یا کم از کم صاحبِ کشف وجدانی و ادراک باطنی ہونا۔ دنیا و ما فیہا کی محبت سے بالکلیہ خالی ہونا۔ دن رات کی کوئی گھڑی ریاضت، اعمال یا مشاہدہ و توجہ الی اللہ سے خالی نہ ہونا۔

۳۔ آنحضرت جل سلطانہ کے معاملات کو پوری طرح سمجھنا اور ان کے مقتضیٰ پر ہمہ وقت عمل پیرا رہنا۔

جبکہ مقامِ تکمیل نام ہے مندرجہ ذیل تمام صفات سے متصف ہونے کا: جب کوئی بیعت کے ارادے سے آئے؛ اس کی استعداد کو دیکھنا، کہ قربِ عام کی استعداد رکھتا ہے یا قربِ خاص کی۔ اگر استعدادِ قربِ خاص رکھتا ہے؛ تو راہِ ولایت کی استعداد رکھتا ہے یا راہِ نبوت کی؛ بصورت ولایت استعدادِ جذب رکھتا ہے یا سلوک کی۔ کیونکہ ان میں سے ہر استعداد کے مناسب علیحدہ اذکار و اوراد ہیں۔ اصحابِ بصیرت نے دیکھا ہوگا کہ مشائخ سے بیعت کے بعد، مختلف اسباق، مختلف سالکین کو جو ملتے ہیں؛ اس میں اصل راز یہی استعداد کا فرق ہے۔ پھر سالک کس لطیفے یا مشرب سے خاص تعلق رکھتا ہے یا کس نبی کے زیرِ قدم ہے؛ تاکہ اس لطیفے پر خاص توجہات اور محنت کرائی جائے۔ عنایت شدہ ذکر اُس نے کیا ہے یا نہیں؟! اس کے لطائف اس سے متاثر ہوئے ہیں یا نہیں؟ اگلا سبق دیے جانے کے قابل ہے یا نہیں؟! عالمِ امر سے مناسبت کم رکھنے کی صورت میں، خصوصی توجہات سے اُس کی مناسبت پیدا کرنا، تاکہ ناسوتی صفات چھوڑ کر ملکوتی صفات کی طرف ترقی کرے۔ پھر بحالتِ جذب، کیفیات و واردات کا تحمّل نہ کرسکنے کی صورت میں اس کو مصلحت کی خاطر واپس نیچے لانا یا بصورتِ تحمل توجہ سے اُس کو اُس کیفیت سے بالا مقام پر لے جانا۔ سالک کی شرعی خامیوں سے پوری طرح باخبر رہنا اور اس مقام سے اس کو نکالنے کے

لیے نصیحت، توجہ و دعا سے اُس کی دستگیری کرنا۔ سالک کے کسی گناہ کی بنا پر نزولِ غضبی یا نزولِ عدلی کا شکار ہو کر عروج کھو دینے پر دوبارہ اُس کو اس مقام تک پہنچانا۔ بصورت استعداد عالی جونسی تجلیات اس سالک کے لیے نافع ہیں؛ اُن کو اس پر وارد کرنا اور مضر تجلیات سے بذریعہ بائی پاس کسی بالا تجلی تک پہنچانا۔ صاحبِ استعداد غیر ملکی مریدین یا دور دراز رہنے والے عشاق سالکین کو دور دراز کی توجہ سے مقاماتِ عالیہ تک پہنچانا اور سالکین کو پیش آنے والے علمی و حالی اشکالات سے تسلی بخش طریقے سے نجات دینا۔ فنافی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ جیسے مقامات سے گزار کر مقامِ احسان تک اس کو پہنچانا۔ عالم غیب کے رُموز و اسرار سے رفتہ رفتہ اُس کی مناسبت پیدا کر کے، ان کے حقائق کو سمجھنے کی استعداد اُجاگر کرنا۔ بے استعداد یا ضعیف الاستعداد سالکین پر انعکاس کی وجہ سے کھلنے والے کشوف کو بخاطرِ مصلحت بند کرنا۔ واقعات و منامات کی صحیح تعبیر کی عکاسی کرنا۔ سالکین کے علاوہ عام ملاقاتی حضرات کی حقیقت پر مطلع ہونا؛ تاکہ نزّلوا کل رجل منزلتَه پر عمل کیا جا سکے اور پھر سب کچھ کے باوجود اپنی حقیقت کو ان کی آلودگیوں سے بچائے رکھنا۔ اپنے اور سالکین کے اعمال و اشغال کے انوار و اثرات پر علمی و حالی پوری پوری گرفت رکھنا۔ مجلس پہ مختلف الجہات وارد شدہ کیفیات کے اسباب پر نظر رکھنا۔ غرضیکہ اس قسم کی بیسیوں وجوہ کے اسباب و علل، ثمرات و نتائج پر علماً و تصرفاً پوری طرح حاوی رہنا۔ ظاہر ہے کہ ان میں سے اکثر صفات کا مدار کشف و ادراکِ باطنی پر ہے۔ جن کا مدار ریاضتِ دائمی اور لقمہ حلال پر ہے۔ آج کل دورِ حاضر میں نظام کے بأکثر الوجوہ سودی ہونے کی بنا پر رزق حلال تقریباً مفقود ہے ہر جگہ مکروہ یا مشتبہ طعام سے واسطہ پڑتا ہے۔ ان حالات میں حتی الوسع احتیاط و تقویٰ کو ملحوظ رکھنا۔

سودی نظام ہے اور یہ تقویٰ کی آرزو　　کتنا حسین فریب ہے جو کھا رہے ہیں ہم

اور پھر ریاضتِ دائمی کے لیے حضرت حق جل مجدہ کے عشق و محبت سے سرشار ہونے کی بنا پر سالہا سال کی شبہائے تاریک کو روشن و زندہ رکھ کر اس شعر کا مصداق بننا:

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں　　کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی

غرضیکہ پیری کے یہ لوازم و آثار کم از کم دورِ حاضر کے لحاظ سے اتنے مشکل اور کٹھن ہیں کہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہیں۔ ان لوازم و آثار کے ہوتے ہوئے پیری کو ایک عام اور آسان سا کام سمجھنا؛ خالی از خرد ہونے کی علامت ہے۔ دورِ حاضر میں پیری کے ان لوازم و آثار کے ساتھ امام وقت حضرت خواجہؒ پوری طرح متحقق اور متصف تھے۔ اگرچہ پیری کے اس رُخ کے ساتھ ساتھ معاشرہ میں رسمی پیری کا ایک دوسرا رخ بھی بہت وسیع حد تک موجود ہے جس کی عکاسی یہ شعر پوری طرح کر رہا ہے:

زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن　　میراث میں آئی ہے انہیں مسندِ ارشاد

چنانچہ حضرت خواجہؒ جیسے مشائخ کو ہر وقت مریدوں کے جلو میں گھرے ہوئے دیکھ کر للچانے والے راہگیر اسی غلط فہمی کی بنا پر، پیر بننے کی سعی لاحاصل میں ہر ناجائز ہتھکنڈوں تک استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتے۔ لیکن خالی از روحانی کمالات آدمی کو یہ کون سمجھائے کہ پیری تو اوپر سے نازل ہوتی ہے ایڑی چوٹی کا زور لگانے سے اور اوچھے ہتھکنڈے استعمال کرنے سے نہیں حاصل ہوتی:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علمی عبورِ کامل درفنِ تصوف

جیسے کہ پہلے ذکر ہو چکا کہ حضرت خواجہؒ جامع مشائخ میں سے تھے۔ علمی طور پر بھی فن تصوف پر عموماً اور علوم مجددیہ پر خصوصاً عبورِ کامل رکھتے تھے۔ فنی اصطلاحات وحقائق کے بہترین اور مستند شارح تھے۔ استشہاد کے طور پر حضرت خواجہؒ کے دو تین مکتوبات کا ذکر کر رہا ہوں؛ جو بندۂ ناچیز کے نام حضرت خواجہؒ نے سوالوں کے جواب میں ارسال فرمائے۔ جس سے حضرت خواجہؒ کے علمی بلند مرتبہ کی کسی قدر عکاسی ہوتی ہے۔

عرصہ دراز قبل بندہ نے وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی حقیقت دریافت کرنے کے لیے ایک عریضہ حضرت خواجہ ؒ کی خدمت میں ارسال کیا۔ جس کا جواب حضرتؒ نے مندرجہ ذیل عنایت فرمایا جو کہ مِن وعَن نقل کیا جا رہا ہے:

''مکرم ومحترم جناب رشید الحق صاحب مطالعہ فرماویں؛ کہ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ آپ نے جس مسئلہ کے متعلق اِس فقیر سے رجوع فرمایا ہے۔ وہ مسئلہ علمی ہونے کے ساتھ ساتھ ذوقی اور وجدانی بھی ہے اور مَن لم یذُق لم یدْرِ کا مصداق ہے اور یہ فقیر دونوں سے عاری ہے۔ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود: یہ تصوف کے معرکۃ الآراء مسئلے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ الأقدس سے پہلے صرف وحدۃ الوجود ہی کی بحث چلتی تھی۔ ہمارے علماءِ اسلام دیو بند رحمہم اللہ تعالیٰ وحدۃ الوجود کے ہی قائل ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں اصطلاحوں میں تطبیق دینے کی سعی فرمائی جو اُس دور کے نقشبندی مجددی حضرات نے قبول نہیں فرمائی اور اب یہ مسئلہ صرف کتابوں میں رہ گیا ہے۔ اس کا ذوق اور وجدان رکھنے والے اگر موجود ہیں تو وہ ہمیں معلوم نہیں۔ حضرت شیخ اکبرؒ سے بعض مسائل میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اختلاف کیا ہے، لیکن اختلاف کے باوجود اُن کے متعلق اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے کہ وہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی میں نظر آتے ہیں۔

وحدۃ الوجود کی آسان سی تعبیر ہمہ اوست سے کی جاتی ہے اور وحدۃ الشہود کی ہمہ از اوست سے۔ اِن تعبیرات سے بہ آسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ قرآن وسنت کے قریب کونسی اصطلاح پڑتی ہے۔ بہت مدت ہوئی مولانا محمد عبداللہ دھرم کوٹی مرحوم؛ جو کہ حضرت رائے پوری حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے خلفاء میں تھے، کے ساتھ ایک رات گزارنے کا اتفاق ہوا۔ وہ سحری کے وقت اُٹھے۔ تہجد کے بعد انہوں نے اپنے طریقہ کے مطابق ذکرِ جہر شروع کیا۔ وقفے وقفے کے بعد وہ یہ بھی ترنم کے ساتھ کہتے تھے:

جس طرف دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

اِسی طرح حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ہے:

مَن تُو شُدم تُو مَن شُدی مَن تن شُدم تُو جان شُدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں مَن دیگرم تُو دیگری

یہ اسی ہمہ اوست کی کیفیت کا پَرتو ہے اور اسی سے بے دین لوگوں نے اتحاد، حلول، تجسیم کے غلط مسائل پیدا کیے ہیں اور تصوف کے منکرین نے انہی غلط چیزوں کو دیکھ کر کہا ہے: کہ تصوف میں ہندوستان کے جوگیوں کے اثرات ہیں۔

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود تصوف کی اصطلاح ہیں۔ ان کا عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ عقائد سے تعلق اس توحید کا ہے جس کی تعبیر قرآن وسنت میں موجود ہے۔ یہ اصطلاحیں اس کے اعتبارات ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ

نے وحدۃ الوجود کا انکارنہیں فرمایا؛ وہ فرماتے ہیں: سالکین راہ کو وسط میں یہ کیفیت بعض پر وارد ہوتی ہے اور بعض پر وارد نہیں ہوتی اور انتہا میں اس کیفیت کی بجائے وحدۃ الشہود کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔اسی لیے حضرات نے لکھا ہے کہ جس پر یہ کیفیات وارد نہ ہوں، اُس کو اس پر کلام نہیں کرنا چاہیئے!! احتیاط کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے، فقیر اپنے اندر اس سے زیادہ لکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ افسوس ہے!! کہ فقیر اس سلسلہ میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکا۔ فقیر بفضلہٖ تعالیٰ بعافیت ہے۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذلك ۔فقیر آپ سب حضرات کی صحت وعافیت اور سلامتی کا طالب ہے۔ مولا پاک نصیب فرماوے۔ آمین۔ فقیر کی طرف سے سب حضرات کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام''

یہ مکتوب حضرت خواجہؒ نے وفات سے چوبیس سال قبل تحریر فرمایا ہے۔

حضرت خواجہؒ نے باوجود مسئلہ پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے اصل اختلاف سے احتیاطاً پہلوتہی فرماتے ہوئے معذرت فرمائی ہے۔لیکن جیسے کہ قبل ازیں بندہ ذکر کر چکا ہے کہ اس مسئلہ کو بالمشافہہ حضرت سے مختلف مجالس ومواقع میں استفسارات کر کے بندہ نے سمجھا ہے اور امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اور امام وقت حضرت خواجہؒ کے فرمودات کا حاصل جو کچھ ہے ؛کافی ساتھیوں کے عرصہ دراز کی خواہش اور اصرار پر نقل کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ باذوق حضرات خصوصاً علومِ مجددیہ کے شائقین کے لیے فائدے کا باعث ہوگا۔

وحدۃ الوجود کا اطلاق دو مقامات پر ہوتا ہے:

۱۔ دورانِ سلوک عروج اور حال کی ایک منزل پر۔

۲۔ حقیقتِ کائنات کے ضمن میں۔

۱۔''توحیدِ وجودی'' یا ''ہمہ اوست'' در عروج وحال: طالبِ حق جب کسی کامل مکمل شیخ کی اجازت سے، نیز ذکر وفکر ومراقبات کی کثرت سے تصفیہ وتزکیہ سے اپنے لطائف کو منور اور مزین کر لیتا ہے۔ عالمِ امر اور ملکوت سے پوری پوری مناسبت حاصل کر کے دائرہ امکان سے گزر جاتا ہے۔ تو بعض سالکین کو (اغلب ہے کہ وہ مجذوب سالک ہوتے ہیں) سیرِ برزخی اور ظلی کی انتہاء میں اور سیر اصلی وصفتی کی ابتداء میں آنحضرت جل مجدہ کے غلبہ محبت کی بناء پر؛ اچھے اور برے آئینوں میں؛ یعنی مظاہر خیر وشر میں محبوب کی وحدت کا جمال مشاہدہ ہوتا ہے۔ ہر اچھے بُرے فعل کو اسی کا فعل پاتا ہے۔ غلبہ حال کی وجہ سے تمیز رفع ہو جاتی ہے۔ چنانچہ آئینہ سے غافل ہو کر؛ مظہر کو ظاہر کا عین، مخلوق کو خالق کا عین جانتا ہے۔ ہر چہ خوباں کنند خوب آمد کے تحت ایمان کی طرح کفر کو بھی اُس کا فعل جان کر بنظرِ استحسان دیکھتا ہے۔ غرض یہ کہ اسی مغلوبیت کی بنا پر امیر خسروؒ کی طرح

ہر چہ آید در نظر غیرِ تو نیست یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

کے راگ الاپتا ہے۔ حسن بن منصور حلاجؒ کا:

کفرت بدین اللّٰہ و الکفر واجب لدیّ و عند المسلمین قبیح

کہتے رہنا۔ امام ربانی کا:

کفر وایماں زلف وروئے آں پری زیبائی است کفر و ایماں ہر دو اندر راہِ ما یکتائی است

اپنے مرشد محترم کو تحریر فرمانا۔ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کا:

غافل از خود ماند از صورت چوں پر شد آئینہ　　تا　ترا　شناختم جاناں ز خود بیگانہ ام

گنگناتے رہنا۔ بایزید بسطامیؒ کا: لیس فی جبتی سوی اللّٰہ کا اظہار کرنا۔ شیخ جامیؒ کا:

در ہر چہ نظر کردم　غیر از　تو نمی　بینم　غیر از تو کسے باشد حقا چہ مجال است ایں

کے زمزمے گانا۔ یہ سب اسی مقام کے پرتو، کیفیات اور پھول ہیں۔

مجنون کا لیلیٰ کے عشق مجازی میں:

اَمُرّ علی الدیار دیارِ لیلی　اقبّل ذا الجدار وذا الجدارا

کے ترنم سے انہی کیفیات کا اظہار ہے۔

چونکہ توحیدِ وجودی کا یہ حال آنحضرت جل سلطانہ کے غلبہ محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور مقدمہ فنا ہے۔ گذشتہ مقامات کی بہ نسبت محمود ہے۔ لیکن چونکہ دوئی اور کثرت؛ نظر سے ساقط نہیں ہوتی علم الیقین کی قسم سے ہے اور سالک کے وجود کو فنا نہیں بخشتا؛ اس لیے ناقص مقام ہے۔ سالک کو اس مقام سے جلد گزر جانا چاہئے۔ کیونکہ یہ دید اور مشاہدہ، غلبہ حال کی وجہ سے ہیں۔ نفس الامر کے مطابق نہیں یعنی مظہر، عین ظاہر نہیں۔

یہ مندرجہ بالا تمام مشائخ اس مقام میں رہے ہیں لیکن بالآخر اس سے گزر کر بلند مقامات پر پہنچے ہیں۔ اس مقام والوں کو ''وجود یہ عینیہ'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور یہ مقام سلوک میں ہر ایک کو پیش نہیں آتا بلکہ حسب استعداد بعض کا عبور اس مقام میں ہوتا ہے۔ اس کی مثال مشائخ نے یوں دی ہے کہ رات کے وقت ستاروں کی روشنی کو اصحابِ بصیرت سورج کی روشنی کا پَرتو کہتے ہیں۔ لیکن سورج کے غلبہ محبت اور کمال روشن ہونے کی وجہ سے ستاروں میں اس کے نور کے عکس کو دیکھ کر ستاروں کو بھی سورج کہتے پھرنا!؛ ظاہر ہے کہ یہ دید اور شہود خلافِ واقعہ ہے۔

لیکن یہ توحیدِ وجودی کا مقام باوجود ناقص ہونے کے اسی وقت محمود ہوگا جب غلبہ محبت کے حال کی وجہ سے ہوگا۔ جیسے کہ مشائخ کو عنایت ہوا ہے لیکن اگر محض قال اور تکرار کی حد تک ہے؛ مشائخ کی پیروی میں ان کے حال کی علمی عکاسی کی حد تک ہے تو انتہائی مذموم ہے۔ کیونکہ مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ اس مقام میں بھی شرع شریف پر پوری طرح کاربند رہے ہیں۔ باوجود غلبہ حال کے سرِ موشریعت سے تجاوز نہیں کیا۔ لیکن محض قال رکھنے والے چونکہ تمام کونی تعینات کو حضرتِ حق ہی کہتے پھرتے ہیں؛ شرع شریف سے مادر پدر آزاد ہوتے ہیں۔

پرانے وقتوں میں ایسے ملحد لوگ ہر دور میں بے شمار ہوئے ہیں۔ دینِ اکبری کی بنیاد اور داراشکوہ کے نظریات کی اساس یہی لوگ ہوئے ہیں۔ امام ربانیؒ نے مکتوبات میں جابجا اور حضرت خواجہؒ نے گزشتہ مکتوب میں ملحد اور بے دین کہہ کر انہی لوگوں کا رد کیا ہے۔ بندہ نے اس دور میں اپنی زندگی میں صرف ایک آدمی اس طرز کا دیکھا ہے۔ ممکن ہے کہ اور بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہوں۔ عرصہ ہوا کہ اسلام آباد سے پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک پرانے صوفی بزرگ کے مزار پر جانا ہوا۔ جب ہم واپس نکلنے لگے تو سجادہ نشین صاحب کا خادم ہمارے استقبال میں کھڑا تھا۔ علیک سلیک کے فوراً بعد سجادہ نشین صاحب بھی آن وارد ہوئے۔ بڑے اصرار سے اپنے ساتھ لے گئے۔ مزار کے احاطے میں چمن کے لان میں کرسیاں بچھی ہوئی تھیں، ان پر بیٹھنا ہوا۔ انہوں نے خادم کو چائے لانے کا آرڈر دیا اور خود باتوں باتوں میں اپنا حدودِ اربعہ بیان کرنا شروع کیا۔ ظاہری جسم پر شرع شریف کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ ڈاڑھی شریف بالکل غائب تھی۔ ٹوپی رومال کا بھی کوئی ذکر نہ تھا۔ رفتہ رفتہ

اسی وحدت الوجود کی رسمی قالی تکرار شروع کی اور چائے کے وقفے کے علاوہ گھنٹہ ڈیڑھ اسی میں صَرف کر دیا۔ جانوروں حتیٰ کہ سانپ، بچھو تک کو نعوذ باللہ حضرتِ حق بتایا۔ میری متجسس نظروں سے بھانپ گئے اور کہا کہ میں نے بھی بہت ریاضت کی ہے۔ پورے نو سال رات دن ایک کر دیا تھا۔ بڑی بڑی متشرع ڈاڑھی تھی، لیکن اتنی کڑی ریاضت سے جب کچھ ہاتھ نہ آیا تو مایوسی کا شکار ہو کر پوری ڈاڑھی منڈوا کر، ننکانہ صاحب میں گورونانک صاحب کے نام ہدیہ کر آیا ہوں۔ نعوذ باللہ!!

بندہ نے بار بار اٹھنے کی کوشش کی لیکن اُن کی پھرتی نے ایک نہ چلنے دی اور کہا کہ آپ جیسے لوگ ایسی جگہوں پر ضرور آتے رہنے چاہئیں۔ بمشکل جان چھڑائی تو رخصت کرنے کے لیے گیٹ تک آئے۔ سلام لیتے وقت ہاتھ تھامے تھامے مزید آدھ پون گھنٹہ اسی بحث میں صرف کر گئے۔ پندرہ سال گزر گئے ہیں باوجود اس صوفی بزرگ کے مزار پر فاتحہ خوانی کا شوق رکھنے کے، صرف انہی سجادہ نشین صاحب کی وجہ سے دوبارہ نہیں جا سکا۔ سنا ہے کہ اب تو وہ اس بحث میں بالکل فنا ہو چکے ہیں اور علماءِ کرام اُن کے کفر کا فتویٰ تک دے چکے ہیں۔

الغرض توحیدِ وجودی کا مقام بصورتِ حال محمود لیکن ناقص ہے۔ جبکہ بصورتِ قال سراسر خلاف شرع ہے اور کفر کی دہلیز تک پہنچانے والا ہے۔ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ سے اس توحید وجودی کا جو انکار معروف و مشہور ہے۔ وہ نفسِ مقام کا انکار نہیں بلکہ اس مقام کے مقام کمال ہونے کا انکار ہے۔ ورنہ امام ربانیؒ خود بھی سالہا سال دوسرے مشائخ کی طرح اس مقام میں رہ چکے ہیں اور مکتوبات شریفہ میں ابتدائی تمام مکتوبات کے معارف وعلوم اسی مقام سے ناشی ہیں۔

۲۔ ''توحیدِشہودی'' درحالِ عروج: گزشتہ سالک کو آنحضرت جل سلطانہ توحیدِ وجودی سے ترقی بخشتے ہیں یا تمام سالکین بذریعہ بائی پاس اس مقام سے پار ہو جاتے ہیں۔ تو تمام مظاہرِ خیر وشر، نظر سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ دیدہ بصیرت میں صرف اور صرف حضرتِ حق جل مجدہ کا شہود باقی رہ جاتا ہے۔ جیسے دن کے وقت سورج کے نکلنے سے تمام ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام فنا ہے اور اس راہ کی ضروریات میں سے ہے۔ کوئی سالک اس مقام سے گزرے بغیر ولی نہیں بن سکتا اور اسی کو عین الیقین کہتے ہیں۔

یہ مقام چونکہ سالک کے وجود کو فنا بخشتا ہے؛ اس لیے توحیدِ وجودی کی بہ نسبت مقام کمال ہے۔ اس مقام کو ''توحیدِ شہود حقیقی'' یا صرف ''اوست'' کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ سالک جب تک زندہ ہے بلحاظِ شرع مخلوقات کے حقوق کا مکلّف ہے۔ اس لیے یہ مقام باوجود پہلے مقام سے کمال ہونے کے آئندہ مقامات کی بہ نسبت مقامِ نقصان ہے۔ فنا کی وجہ سے بہت سارے حقوق سے عہدہ برآں نہیں ہو سکتا اور ویسے بھی ولایت، فنا اور بقاء دونوں چیزوں کے بغیر متحقق نہیں ہوتی۔ اس لیے اس مقام سے بھی توحیدِ وجودی کی طرح گزرنا چاہیئے ورنہ ولایت ثابت نہیں ہو سکے گی۔ امام ربانیؒ نے جس معنیٰ میں توحیدِ وجودی کا انکار فرمایا ہے؛ اسی معنیٰ میں اِس توحیدِ شہودی کا بھی انکار فرمایا ہے۔ صرف اوّل کی بہ نسبت اِس کو کسی قدر اعلیٰ بتایا ہے۔

۳۔ ''توحیدِ شہودی ظلّی'' یا ''ہمہ اَز اُوست'': جب سالک کو توحیدِ شہودی اور مقامِ فنا سے مقامِ بقاء میں پہنچاتے ہیں۔ تو قبل از فناء، وجودِ حقیقی کے ساتھ مشہود ہونے والی تمام کائنات، مخلوقات اور کثرت؛ جو مقامِ فنا میں نظر سے غائب ہو گئی تھی، دوبارہ وجودِ ظلّی کے ساتھ نظر میں واپس آجاتی ہے۔ یہ مقام بقاء ہے؛ جس میں حضرتِ حق جل مجدہ کا شہود اپنے وجودِ حقیقی کے ساتھ اور مخلوقات کا شہود، وجودِ ظلّی کے ساتھ نظر میں رہتا ہے اور دونوں کے حقوق علیٰ حسب المراتب پورے پورے ادا ہو سکتے ہیں۔ اسی کو حق الیقین کہتے ہیں۔

اور مجددی حضرات کو جو ''شہودیہ ظلّیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے؛ وہ اسی مقام کی مناسبت سے ہے۔ لیکن حق یہ ہے کہ تمام کامل اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس مقام کے حامل ہوئے ہیں۔ خواہ وہ ''وجودیہ'' کہلاتے ہوں یا ''شہودیہ''۔

''شہودیہ'' کو اس مقام میں ''شہودیہ ظلیہ'' اور ''وجودیہ'' کو اس مقام میں ''وجودیہ ورائیہ'' سے موسوم کرتے ہیں اور نام میں فرق اس فکر و اعتقاد کی وجہ سے ہے جس کو عنقریب بندہ وحدۃ الوجود کے دوسرے اطلاق: ''حقیقتِ کائنات'' میں اختلاف کے ضمن میں بیان کرے گا اور بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جس طرح امام ربانیؒ نے وحدۃ الوجود کا انکار فرمایا ہے اسی طرح ''وحدۃ الشہود''، یا ''شہودظلی''، یا ''ہمہ از اوست'' کا بھی انکار فرمایا ہے اور اس کو باوجود مقامِ کمال بتانے کے راستے کا ایک مقام بتایا ہے اور مقصد کو اس سے بہت اوپر بتایا ہے!!

فائدہ عظیمہ: عام مشہور اصطلاح کے مطابق علم الیقین کا معنی ہے: دھواں دیکھ کر آگ کا یقین ہو جانا اور عین الیقین کا معنی ہے: براہ راست آگ کو دیکھ کر آگ کا یقین ہو جانا اور حق الیقین کا معنی ہے: آگ میں ہاتھ ڈال کر یا سینک کر آگ کا اعلیٰ یقین حاصل کرنا۔

گذشتہ تینوں اَقسامِ توحید میں ان تینوں اَقسام کا اطلاق اسی اصطلاح کے مطابق کیا گیا ہے جو عام صوفیاء کی اصطلاح ہے، لیکن امام ربانیؒ کے نزدیک راہِ سلوک میں یہ تینوں اقسام اَثر کی طرف راجع ہیں۔ کیونکہ حضرت حق جل مجدہ کی رؤیت ، باوجود ممکن ہونے کے اس دنیا میں غیر واقع ہے۔ لہٰذا علم الیقین کا معنی ہوگا: دھویں کے علم سے آگ کا یقین ہونا۔ عین الیقین کا معنی: دھواں دیکھ کر آگ کا یقین ہونا اور حق الیقین کا معنی ہوگا: دھویں سے متحقق ہو کر آگ کا یقین ہونا۔ آگ تینوں صورتوں میں نظر نہیں آئیگی۔ جیسے کہ حضرتِ حق یقین کی تینوں صورتوں میں مرئی نہیں ہونگے۔ ہاں! بصارت اور رؤیت کی بجائے دیدہ بصیرت کے اطلاق میں ممکن ہوگا۔

مذکورہ بالا فنا و بقا، نیز ظاہر اور مظہر میں اتحاد یا ظلیت کی نسبت چونکہ تجلی فعلی یا صفتی کی فنا و بقا سے وابستہ ہے اور امت مرحومہ کے اکثر مشائخ اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اسی مقام میں ہوئے ہیں، اس سے اعلیٰ مقامات یا تجلی ذاتی دائمی کا مورد ومہبط بننا چونکہ کروڑوں اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے خال خال کسی محمدی المشرب کا حصہ ہے اور اس آخری دور میں مجددی نسبت کے خواص میں سے ہے اور یہ وہ کمالات ہیں جو الف ثانی میں امام ربانیؒ کی براہ راست حضرتِ حق جل مجدہ کے تربیت فرمانے سے منصۂ ظہور میں آئے ہیں۔ جن کو ''کمالاتِ ثلثہ''، ''حقائق انبیاء'' و ''حقائق الٰہیہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور امت میں انتہائی اعلیٰ استعداد رکھنے والے چیدہ چیدہ حضرات کو حاصل ہوئے ہیں اور سورۃ واقعہ کے قلیل من الآخرین سے یہی لوگ مراد ہیں۔

۴۔ **نسبتِ خالقیت ومخلوقیت:** جب کسی انتہائی اعلیٰ استعداد کے حامل سالک پر آنحضرت جل مجدہ نظرِ کرم فرما کر کمالاتِ نبوت کا انعکاس فرماتے ہوئے تجلّی ذاتی سے بہرہ ور فرماتے ہیں۔ تو کمالاتِ ولایت کی تمام نسبتیں کافور ہو جاتی ہیں۔ کمالاتِ نبوت کے سامنے کمالاتِ ولایت کی اتنی حیثیت بھی نہیں جتنی سمندر کے سامنے ایک قطرہ حقیرہ کی!! چنانچہ اس نسبت کے وارد ہونے پر سابقہ اتحاد و ظلّیت کے دعوے بالکل غائب ہو جاتے ہیں۔ حضرت حق جل مجدہ خالقِ مطلق اور تمام کائنات مخلوقِ محض، حضرتِ حق قادرِ مطلق ربّ اور تمام ممکنات عاجزِ محض نظر آتی ہیں؛ جیسا کہ شرع شریف میں قرار پایا ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعلیمات اور آسمانی کتب کا خلاصہ یہی نسبت اور عقیدہ ہے اور تمام

مکلفین اسی عقیدہ کے مکلّف ہیں۔ امام ربانیؒ پر جب یہ نسبت وارد ہوئی تو فرمایا:

''اس فقیر پر بہت گراں گزرتا ہے کہ مخلوقات اور ممکنات کو عین ظاہر یا ظل ظاہر کہہ سکے۔ مخلوقات کی اتنی حیثیت کہاں سے آ گئی کہ اتحاد و ظلیت اس کے نصیب ہو سکے!!''

اس کو نسبتِ غیب الغیب اور مقامِ عبدیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب یہ نسبت عام اولیاء کرامؒ کی دسترس سے بالاتر ہے تو اس کے علوم و معارف بھی یقیناً ان کی سمجھ سے بالاتر ہوں گے۔ امام ربانیؒ نے اس نسبت کو سلوک تصوف کا مقصد بتایا ہے اور گزشتہ تمام مقامات کو راستے کی منازل اور مقصد کے سامنے ناقص مقامات بتایا ہے۔ حق یہ ہے کہ جب تک ''ذاتِ بحت'' تک عروج اور ''عدمِ صِرف'' تک نزول واقع نہ ہو سالک؛ خالق و مخلوق میں پورا پورا امتیاز نہیں کر سکتا اور شرک خفی اور اخفی کی تاریکیوں سے نجات نہیں پا سکتا۔ اسی لیے امام ربانیؒ کا اپنے دور کے بارے میں فرمان ہے:

''کہ میں جب نظر کشفی سے دیکھتا ہوں تو پورے جہان میں صرف ایک آدمی کے کلمہ کو آنحضرت جل سلطانہ تک پہنچا ہوا پاتا ہوں۔ باقی سب کے کلمے علیٰ حسب المراتب راستے میں ہی رہ جاتے ہیں۔''

فللّٰہ در الشیخ المجدّدؒ ظاہر ہے کہ اس سے امام ربانیؒ کا اپنے انتہائی کمال قرب و معرفت کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ ''توحیدِ وجودی'' یا ''وحدۃ الوجود'' کا دوسرا اطلاق:

''توحیدِ وجودی'' یا ''وحدۃ الوجود'' کا دوسرا اطلاق ''حقیقت کائنات'' کے ضمن میں کیا جاتا ہے۔ اس پر تمام مشائخ صوفیاؒ کا اتفاق ہے کہ وجودِ حقیقی صرف ایک ہے اور وہ وجود آنحضرت جل سلطانہ کا ہے۔ وحدۃ الوجود پر اتفاق کا یہی معنی ہے لیکن اس اتفاق کے باوجود اس میں اختلاف ہے کہ یہ اتنی طویل و عریض کائنات اور ممکنات کی کثرت جو سب کو نظر آ رہی ہے یہ وجود نہیں رکھتی ہے کیا؟!! پھر اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس اختلاف کو سمجھنے کے لیے چند مقدّمات کا سمجھنا از بس ضروری ہے:

مقدمہ اولیٰ: شیخ اکبر شیخ ابن عربیؒ اور ان کے متبعین کے ہاں خارج میں صرف حضرت حق جل مجدہ کی ذات پاک موجود ہے اور کوئی چیز موجود نہیں حتیٰ کہ حضرت حق تعالیٰ شانہ کی صفات بھی خارج میں علیحدہ موجود نہیں بلکہ اس کے اسماء و صفات، حق تعالیٰ کی عینِ ذات ہیں اور نیز ایک دوسرے کے بھی عین ہیں: مثلاً علم و قدرت؛ جس طرح عین ذاتِ باری تعالیٰ ہیں اسی طرح علم، عینِ قدرت ہے اور اس کا عکس اور یہ بھی فرماتے ہیں: کہ اس مقام میں تعدد وتکثّر کا کوئی نام و نشان نہیں۔ صرف اتنا ہے کہ اسماء و صفات، شیون و اعتبارات نے حضرت حق کے علم میں اجمالی اور تفصیلی طور پر تمایز پیدا کیا ہے۔ خارج میں یہ تمایز و تباین مفقود ہے۔ چنانچہ اس کی تعبیر انہوں نے بدیں الفاظ کی ہے:

از روئے تعقل ہمہ غیر اند صفات   با ذات تو از روئے تحقق ہمہ عین

جبکہ امام ربانی کے ہاں حضرت حق جل مجدہ کی ''صفاتِ ثمانیہ''، ذات پاک کی طرح خارج میں موجود اور متمیز ہیں۔ جیسا کہ اہل حق علماء ماتریدیہؒ کے ہاں مقرر اور ثابت ہے۔ اگرچہ اشاعرہؒ تکوین کے سوا ''صفاتِ سبعہ'' کے قائل ہیں۔ پھر جس طرح صفاتِ ثمانیہ خارج میں حضرت حق سے متمیز ہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے سے بھی متمیز ہیں۔ اگرچہ تمیز بھی بے کیف و بے چون ہے۔ یعنی قدرت، علم کا عین نہیں اور نہ ہی اس کا عکس ہے۔ اس خارجی تمایز کے ساتھ ساتھ حضرت حق جل مجدہ کے علم میں بھی یہ صفات متمایز و متباین ہیں۔ جیسے کہ پہلا گروہ بھی اس کا قائل ہے۔ امام ربانیؒ کے ہاں حضرت حق کے علم میں ان صفات و اسماء کے تمایز کے ساتھ ساتھ ان کے نقائض بھی متمیز ہیں اور انہوں نے بھی مرتبہ علم میں تفصیل پیدا کی ہے: مثلاً

مرتبہ علم میں صفتِ علم کا مقابل عدمِ علم ہے؛ جس کو جہل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس طرح صفتِ قدرت کے مقابل عدمِ قدرت ہے؛ جس کو عجز کہا جاتا ہے۔ گویا کہ مرتبہ علم میں صفات کی طرح عدماتِ متقابلہ نے بھی تمایز حاصل کیا ہے۔

مقدمہ ثانیہ: شیخ اکبرؒ اور عام صوفیاءؒ کے ہاں حضرت حق تعالیٰ کی حقیقت ''واجبُ الوجود'' ہے اور ''وجود'' ذاتِ باری تعالیٰ کا عین ہے۔ جبکہ امام ربانیؒ کے نزدیک حضرت حق جل مجدہ کی ماہیت اور حقیقت ''ذاتِ محض'' ہے اور ''وجود'' اس سے زائد ہے مثل الصفات۔ رہا یہ کہنا: کہ ماہیت کا تحقق اور تقرر ''وجود'' کے بغیر کیسے ممکن ہے؟! تو یہ بات ممکنات کی حد تک تو درست ہے کہ ممکنات کی ماہیات اپنے تحقق اور تقرر میں وجود کی محتاج ہیں لیکن یہ فلسفیانہ اصول حضرت حق پر جاری نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ذات پاک وجود کی محتاج ہے:

فلسفی را چشمِ حق بین سخت نابینا بود   گرچہ بیکن باشد ویا بوعلی سینا بود

یعنی جس طرح ذات پاک باوجود جامع الکمالات ہونے کے مرتبہ ذات میں صفات سے پوری طرح مستغنی ہے اسی طرح باوجود واجب الوجود ہونے کے مرتبہ ذات میں وجود سے بھی پوری طرح مستغنی ہے لہٰذا ''وجود'' عینِ ذات نہیں بلکہ اخص صفات میں سے ہے۔ یہ معرفت طورِ عقل سے بالاتر ہے اور صفات کے خارجی ہونے کی طرح مشکوۃ نبوت سے مقتبس ہے۔ چنانچہ امام ربانیؒ کا فرمان ہے:

''جب اس درویش کا ''وجود'' کے مرتبہ سے اوپر گزرا ہوا تو جب تک وہ حال مجھ پر غالب رہا، اپنے آپ کو ذوق وجدان سے اربابِ تعطیل میں پاتا تھا۔ مرتبہ ذات میں ''وجود'' کی گنجائش نہ پاتا تھا۔ کیونکہ ''وجود'' کو راستہ میں ہی چھوڑ آیا تھا۔''

صوفیاءؒ میں سے اس معرفت میں امام ربانیؒ کے ساتھ ''شہود یہ غیریہ'' کے شیخ علاء الدولۃ سمنانیؒ بھی شریک ہیں۔ ان کا قول ہے کہ: فوق عالَمِ الوجود عالَمُ المَلِكِ الودُود ۔ اسی طرح علماء اہل حق بھی اس معرفت میں شریک ہیں۔ ان کا فرمان ہے: ''وجود واجب تعالیٰ زائد است بر ذاتِ او سبحانہ''۔

مقدمہ ثالثہ: عام صوفیاء کرام کے نزدیک ''تعینِ اول'' یا ''وحدت''، تعینِ علمی ہے۔ جس کو ''حقیقتِ محمدیہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن امام ربانیؒ نے تعینِ علمی سے اوپر ''تعینِ وجودی''، اس سے اوپر ''تعینِ حیاۃ''، اور ''تعینِ اول''، ''تعینِ حبی'' کو بتایا ہے۔ شیخ سمنانیؒ کے مندرجہ بالا قول سے بھی ''وجود'' کے اوپر ''ودود'' کے لفظ میں اسی ''تعینِ حبی'' کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ امام ربانیؒ کے ہاں تمام وہ صوفیائے کرامؒ جن کا عروج، اجمالِ علم تک ہوا ہے اور انہوں نے ''تعینِ اول''، ''تعینِ علمی'' بتایا ہے، علم سے اوپر کے مراتب تک رسائی حاصل نہیں کر سکے اور ان مراتب کو مبدأ سے جدا نہیں کر سکے۔

ظاہر ہے کہ عام صوفیائے کرامؒ اپنے مشائخ سے تربیت یافتہ ہیں اور زیادہ سے زیادہ صدی کے مجدد ہیں۔ جبکہ امام ربانیؒ براہ راست حضرت حق کے تربیت یافتہ اور الف ثانی کے مجدد ہیں۔ مشائخ کی تربیت اور حضرت حق کی تربیت میں زمین وآسمان کا فرق ہے!!

مقدمہ رابعہ: عام صوفیائے کرامؒ کے ہاں ''صورتِ شیٔ'' عینِ شیٔ ہے۔ جبکہ امام ربانیؒ کے نزدیک صورتِ شیٔ، شیٔ کا شبح ومثال ہے؛ عین نہیں ہے۔ آئینے میں نظر آنے والی آگ کی صورت، اگر خارجی آگ کا عین ہوتی تو صورت بھی جلاتی جبکہ صورت جلانے کا کام نہیں کرتی۔

مقدمہ خامسہ : کہ ''وجود'' ہر خیر وکمال کا مبدأ ہے اور تمام کمالات ''وجود'' کی طرف راجع ہیں۔ جبکہ ''عدم'' ہر نقص وشرارت کا منشأ بلکہ سراسر شرارت ہے اور تمام نقائص اور عیوب اسی کی طرف راجع ہیں۔

ان مقدماتِ خمسہ کے بعد کائنات کی حقیقت سمجھئے:

یہ مشاہد ومحسوس عرصۂ کائنات وممکنات شیخ ابن عربیؒ اور ان کے متبعین کے نزدیک ''حضرتِ وجود'' ہے۔ جس کے سوا خارج میں کچھ موجود نہیں اور یہ حق تعالیٰ کی ذات کا وجود ہے۔ جس کو ''ظاہر وجود'' بھی کہتے ہیں۔ آنحضرت جل سلطانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے اپنے علم ازلی میں تمام ممکنات وکائنات کی جو صورتیں تجویز فرمائی ہیں۔ یہ صور علمیہ متکثرہ جن کو ''باطن وجود'' اور ''اعیانِ ثابتہ'' بھی کہتے ہیں۔ جب ''ظاہر وجود'' کے آئینے میں منعکس ہوتی ہیں، تو کثرت نظر آتی ہے۔ جس طرح کہ آئینے میں کسی شخص کی صورت منعکس ہو کر وجودِ تخیلی پیدا کرتی ہے۔ اسی طرح ان صورِ علمیہ متکثرہ نے وجودِ تخیلی پیدا کیا ہے۔ خارج میں ''احدیتِ مجردہ'' کے سوا کچھ موجود نہیں۔ لیکن چونکہ اس متخیل اور متوھم عکس کو ابدی عذاب وثواب کی خاطر حضرت حق نے ثبات واستحکام بخشا ہے۔ اس لیے وہم وتخیل کے اٹھنے سے اٹھ نہیں سکتا اور مندرجہ بالا مقدمات میں گزر چکا کہ ان کے نزدیک صورتِ علمیہ، علم کا عین ہے اور علم عینِ ذات ہے۔ اسی طرح وجود بھی عین ذات ہے۔ اس لیے تمام متوھم اور متخیل کائنات پر ''اتحاد'' کا حکم کیا ہے اور ''ہمہ اوست'' کہا ہے۔ چنانچہ ان ابیات میں اسی نظریہ کی عکاسی ہے:

همسایه و هم نشین و همراه همه اوست　　در دلق گدا وَ اطلس شه همه اوست
در انجمن　فرق و نهانخانه　جمع　　بالله همه اوست ثم بالله همه اوست

اسی طرح مولوی جامی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

مجموعه کون راه بقانون سبق　　کردیم تصفح ورقا بعد ورق
حقا که ندیدیم ونخواندیم درو　　جز ذات حق وشیون ذاتیۂ حق

لیکن ان کے اس نظریے پر ممکنات اور کائنات کی شیطانیوں، شرارتوں، عیوب ونقائص کی زد جب پڑتی ہے تو کہتے ہیں: کہ ذاتی نقص وشرارت کسی چیز میں نہیں صرف نسبی اور اضافی ہے۔ لیکن امام ربانیؒ کے نزدیک کائنات کی حقیقت، مقدمہ اولیٰ میں ذکر شدہ ''اعدام متقابلہ'' ہیں۔ جن میں صورِ علمیہ کے عکوس جلوہ گر ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ ''اعدام متقابلہ'' اسماء وصفات کے عکوس سمیت حقائق ممکنات ہیں۔ ''اعدام'' بمنزلۂ ھیولیٰ ہیں اور ''عکوس'' بمنزلۂ صور ہیں۔ قادرِ مختار جل شانہ جب چاہتے ہیں کہ ان ماہیاتِ ممتزجہ میں سے کسی ماہیت کو موجود فرمائیں؛ تو حضرتِ وجود کا پرتو، وجودِ ظلی اس ماہیت پر منعکس فرما کر آثار خارجیہ کا مبدأ بنا دیتے ہیں۔ گویا کہ ممکنات کے وجود اور صفات سب کے سب وجود حقیقی اور صفات باری کے ظلال اور عکوس ہیں۔ جو ''اعدام متقابلہ'' میں منعکس ہوئے ہیں۔ ''اعدام'' میں چونکہ خباثت، ذاتی اور شرارت، اصلی وجبلی ہے؛ اس لیے تمام عیوب ونقائص کا منبع ہیں۔ آیۂ کریمہ ما أصابك من حسنة فمن الله وما أصابك من سيئة فمن نفسك سے اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

غرض یہ کہ کائنات میں جو کچھ نظر آتا ہے؛ سب کچھ ممکنات کی قسم سے ہے۔ اگرچہ بعض سالکوں کو وہ مشہود، ''واجب'' کے ساتھ متوہم ہوتا ہے اور مقدمات میں گزر چکا ہے کہ امام ربانیؒ کے نزدیک صورتِ شئ، عینِ شئ نہیں۔ صفات عینِ ذات نہیں۔ ''وجود'' زائد از ذات ہے۔ اس لیے ممکن عینِ واجب نہیں ہو سکے گا اور ''ہمہ اوست'' کہنا درست نہیں ہوگا بلکہ

''ہمہ از وست'' کہنا ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ حق تعالیٰ وراءالوراءثم وراءالوراء ہے۔ جو کچھ دیکھا گیا، سنا گیا، جانا گیا، سب غیر ہے۔ کلمہ ''لا'' سے اس کی نفی کرنی چاہیئے۔

خلق را وجہ کے نماید او   در کدام آئینہ در آید او

حاصل یہ ہے کہ توحیدِ وجودی کے قائلین یا شیخ اکبرؒ کے ہاں کائنات کی حقیقت، حضرت حق کے ''ظاہر وجود'' کے آئینہ میں صورِ علمیہ متکثرہ کے انعکاس و تلبس سے محسوس و مشاہد، موجود نما کثرتِ موھومہ ہے۔ جو نقطہ جوّالہ کے دائرہ موہومہ کی مانند ہے اور توحیدِ شہودی کے قائلین یا امام ربانیؒ کے نزدیک کائنات کی حقیقت، ''اعدام متقابلہ'' کے آئینوں میں اسماء و صفات کے عکوس کے انعکاس سے ظل، خارج میں موجود ظلال خارجیہ ہیں۔ چونکہ دونوں نظریات کے آئینے ''وجود'' و ''عدم'' سراسر ایک دوسرے کی ضد اور متقابلین ہیں۔ اس لیے دونوں نظریات میں تطبیق یا اختلاف و نزاع لفظی ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ دونوں نظریات میں سے کونسا نظریہ حضرت حق جل مجدہ کی تقدیس و تنزیہہ کے قریب ہے؟!!

فائدہ عظیمہ خاصہ

جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا کہ دوران سلوک امام ربانیؒ ان تمام منازل و مقامات سے گزرے ہیں۔ ہمہ اوست، صرف اوست، ہمہ از اوست، اور بالآخر کمالاتِ نبوت تک رسائی سے حضرت حق اور کائنات کے درمیان صرف نسبت خالقیت و مخلوقیت کے نظریہ شرعیہ تک انتہا ہوئی۔ چونکہ انما الاعمال بالخواتیم کے تحت اعتبار قولِ آخر کا ہوتا ہے؛ حال چونکہ قال میں دخیل اور اثر انداز ہوتا ہے؛ امام ربانیؒ کے مکتوبات شریفہ کے اول سے آخر تک تمام مکاتیب بالترتیب انہی چاروں کیفیات اور احوال کی عکاسی کرتے ہیں۔ اب امام ربانیؒ کو توحیدِ وجودی یا شہودی کی بجائے قولِ آخر نسبتِ خالقیت و مخلوقیت کی طرف منسوب کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی تعلیمات اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کا خلاصہ اور حاصل ہے۔ اب اس بحث میں الجھنا کہ امام ربانیؒ توحیدِ شہودی کے قائل تھے، توحیدِ وجودی کے منکر تھے؛ سراسر فضولیات میں داخل ہے!! قبل ازیں گزر چکا کہ امام ربانیؒ جس معنی میں توحیدِ وجودی کے منکر تھے؛ اس کو مقام ناقص، راستے کی منزل اور مقصد سے کوسوں دور بتاتے تھے۔ اسی معنی میں توحیدِ شہودی کے بھی منکر ہیں، اس کو بھی راستے کی منزل اور مقصد سے نیچے فرمایا ہے اور بنا بر حال کے جس معنی میں توحیدِ شہودی کے قائل تھے اسی معنی میں توحیدِ وجودی کے بھی قائل تھے۔
استشہاد کے طور پر امام ربانیؒ کے ایک مکتوب کا خلاصہ ذکر کیا جاتا ہے تاکہ صورت حال بخوبی واضح ہو جائے۔ فرماتے ہیں:

مشائخ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے تین گروہ ہیں:

۱۔ پہلا گروہ اس بات کا قائل ہے کہ کائناتِ عالم حق تعالیٰ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہے۔ یہ بزرگ گروہ اپنے تمام اعتقاداتِ کلامیہ میں، جو کتاب و سنت اور اجماع کے موافق ثابت شدہ ہیں، علماء اہل سنت و جماعت کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے اور متکلمین اور ان کے درمیان سوائے اس کے اور کچھ فرق نہیں کہ متکلمین اس معنی کو علمی اور استدلالی طور پر جانتے ہیں اور یہ بزرگ کشف و ذوق کی بنیاد پر سمجھتے ہیں۔ اس گروہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال متابعت کے باعث ممکن کے تمام مراتب کو واجب سے جدا کر دیا اور کلمہ ''لا'' کے تحت لا کر سب کی نفی کر دی اور انہوں نے واجب کے ساتھ ممکن کی کوئی مناسبت نہیں دیکھی؛ سوائے اس کے کہ اپنے آپ کو عاجز بندہ، مخلوق جانا اور اس عزّ شانہ کو اپنا خالق اور مولیٰ سمجھا۔

خود کا مولیٰ کا عین جاننا یا اس کا ظل اور سایہ سمجھنا، ان بزرگوں پر بہت گراں اور دشوار ہے: ما للتراب و رب الأرباب!!

۲۔ دوسرا گروہ عالم کو حق سبحانہ وتعالیٰ کا ظل جانتا ہے مگر یہ اس بات کا قائل ہے کہ عالم خارج میں اصالت کے طریقے پر نہیں بلکہ ظلیت کے طریقے پر موجود ہے اور اس کا وجود حق سبحانہ وتعالی کے وجود سے قائم ہے۔ جس طرح کے ظل اپنے اصل کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ اس گروہ نے اگر چہ ممکن کے مراتب کو مبدأ سے جدا کر دیا اور کلمہ ''لا'' کے تحت لا کر اس کی نفی بھی کی۔ لیکن ظلیت اور اصالت کے واسطہ سے کچھ چیزیں ان کے وجود کے بقا کے ساتھ ثابت رہی۔ چونکہ ظل کا اصل کے ساتھ تعلق بڑا قوی ہے، اس لیے یہ نسبت ان کی نظروں سے اوجھل نہ ہوسکی۔ (دوسرے گروہ میں توحید شہودی یا شہود یہ ظلیہ کے نظریے کا اظہار ہے)

۳۔ تیسرا گروہ وحدت وجود کا قائل ہے یعنی خارج میں صرف ایک موجود ہے اور بس، اور وہ صرف ذات حق سبحانہ وتعالیٰ ہے اور عالم کا خارجی طور پر علمی ثبوت کے علاوہ ہرگز کوئی ثبوت نہیں اور کہتے ہیں: الأعیان ما شمّت رائحة الوجود اگر چہ یہ جماعت بھی عالم کو حق سبحانہ وتعالیٰ کا ظل کہتی ہے۔ لیکن ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ ان چیزوں کا وجود صرف حِس کے مرتبہ میں ہے ورنہ نفس الامر اور خارج میں عدم محض ہے۔ جیسے نقطہ جوالہ سے دائرہ موھومہ؛ صرف حِس کے مرتبہ میں ہے خارج میں معدوم ہے۔ اگر چہ یہ گروہ بھی اپنے درجاتِ وصل وکمال میں تفاوت کے باوجود، واصل وکامل ہیں۔ لیکن ان کی ایسی باتیں مخلوق کو گمراہی، الحاد اور بے دینی کی طرف لے جاتی ہیں۔ یہ گروہ ممکن کے بعض مراتب کو اگر چہ مبدأ اور واجب سے جدا کر سکا ہے لیکن تمام مراتبِ ممکن کو واجب سے جدا نہیں کر سکا ہے۔ خود کو علمی جاننا، خارجی نہ جاننا، مولیٰ کا عین جاننا، اسی کوتاہ نظری کے باعث ہے۔ (یہ نظریہ توحید وجودی والوں کا ہے)

ان تین گروہوں کا ذکر کرنے کے بعد امام ربانیؒ اپنے سلوک کے بارے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''یہ درویش بچپن کے زمانے سے ہی توحید وجودی کا علم یقین کی حد تک رکھتا تھا۔ اگر چہ اس کا حال نہ رکھتا تھا اور جب راہ سلوک میں آیا۔ تو حضرت پیر ومرشد خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ کی برکت سے توحیدِ وجودی منکشف ہوئی۔ مدتوں بلکہ سالوں اسی مقام کے درجات میں گشت کرتا رہا حتی کہ اسی سکر کی حالت میں کفر و ایمان زلف و روئے آں پری زیبائی است والی مشہور رباعی اپنے مرشد کو مکتوب میں تحریر کی۔ تا آنکہ حضرت حق جل مجدہ کی عنایت نے دستگیری کی اور یہ نسبت زائل ہونے لگی۔ اس کے زائل ہوتے وقت یہ درویش بڑا بے قرار ہوا کہ مجھے اس مقام سے نہ نکالیں، کیونکہ بہت سے مشائخ عظام اسی مقام میں اقامت پزیر تھے۔ لیکن اس مقام سے نکال کر مقامِ ظلیت یا توحیدِ شہودی کے مقام پر لے گئے۔ پھر معلوم ہوا کہ پہلا مرتبہ پست سے بھی پست تر تھا۔ چنانچہ اس مقام پر خود کو اور عالم کو حضرتِ حق کا ظل محسوس کیا۔ اس مقام پر خواہش پیدا ہوئی کہ اس مقام سے نہ نکالا جاؤں۔ کیونکہ یہ مقام بھی توحید وجودی سے کسی قدر مناسبت رکھتا تھا۔ لیکن بالآخر کمال مہربانی سے اس مقام سے بھی بالا لے جا کر مقامِ عبدیت میں پہنچا دیا اور عبدیت کا کمال ظاہر ہوا اور پہلے مقامات، توحیدِ وجودی وشہودی کی پستی ظاہر ہوئی اور ان مقامات سے تائب ہو کر استغفار کی!!''

امام ربانیؒ کے علوم ومعارف ومقامات عالیہ تک یقیناً بہت کم کسی کی رسائی ہوئی ہے:

قیامت میکنی سعدی بدیں شیریں سخن گفتن مسلّم نیست طوطی را بدورانت شکر خائی

امام ربانیؒ کے اس صحیح صریح اور فیصلہ کن روشن واضح مکتوب کے بعد حیرت ہوتی ہے کہ عرصہ چار سو (۴۰۰) سال سے

اختلاف ونزاع کرنے والے، امام ربانیؒ کو ابھی تک توحید شہودی کا قائل اور توحید وجودی کا منکر کہتے آرہے ہیں اور ان کے اصلی نظریات اور مقامات بتانے سے ہچکچا رہے ہیں۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے!! حق یہ ہے جیسا کہ قبل ازیں بھی بندہ ذکر کر چکا ہے کہ حضرت حق جل مجدہ نے اپنی خصوصی تربیت سے دوسرے ہزار سال کے مجدد بنانے کے لیے امام ربانیؒ کی جس نہج پر تربیت فرما کر کمالاتِ نبوت اور اس سے بھی بالاتر مقامات پر امام ربانیؒ کو پہنچایا ہے۔ بعد میں آنے والے اکثر مشائخ کی ان مقامات تک رسائی نہیں ہو سکی۔ کمالاتِ ولایت رکھنے کی وجہ سے اتحادیا ظلیت کی نسبت ان سے منقطع نہیں ہو سکی۔ چنانچہ ان مشائخ کے جذباتی اور ناسمجھ معتقدین ان کے نظریات کی تقویت کے لیے استشہاد کے طور پر امام ربانیؒ اور شیخ اکبرؒ کو درمیان میں لا کر فضاء کو تلخ بناتے رہے ہیں۔ فیاللعجب!!

امام وقت حضرت خواجہؒ نے بالمشافہہ توحید وجودی وشہودی کی بحث کے دوران یہ قصہ کم نصیب کو سنایا کہ امام الہند شاہ ولی اللہؒ، امام ربانیؒ کے توحیدِ وجودی وشہودی پر تحریر فرمودہ ایک مکتوب کو سمجھنے کے لیے خانقاہ مظہریہ میں شیخ وقت مرزا مظہر جانجاناںؒ کے پاس تشریف لائے۔ مرزا صاحبؒ عمر میں شاہ صاحبؒ سے تین سال بڑے تھے اور شاہ صاحبؒ کا ان کے بارے میں اعتقاد، مضمون کے شروع میں بندہ نے تحریر کر دیا ہے۔ خیر مرزا صاحبؒ نے مکتوب سمجھا دیا۔ شاہ صاحبؒ تشریف لے گئے۔ رات کو امام ربانیؒ روحانی طور پر مرزا صاحب کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ شاہ صاحبؒ پوری طرح مطمئن نہیں ہو سکے۔ کل خود ان کے ہاں جا کر اچھی طرح سمجھا کر ان کی خلش دور کر کے ان کو اطمینان دلائیں۔ چنانچہ مرزا صاحبؒ حسبِ حکم تشریف لے گئے اور مزید وضاحت فرما دی۔

چند ساتھیوں کے اصرار پر بندہ نے توحیدِ وجودی وشہودی کے موضوع پر جتنا کچھ تحریر کیا ہے؛ میرے خیال میں ذوق، شوق اور بصیرت رکھنے والوں کے لیے سرِ دست اتنا ہی کافی ہے اور نہ سمجھنے کی نیت رکھنے والوں کے لیے شاید دفتروں کے دفتر بھی بے کار ہوں۔

بس کنم خود زیرکاں را ایں بس است

امام وقت حضرت خواجہؒ کے گزشتہ مکتوب کے عرصہ بعد بندہ نے مزید کچھ استفسارات بذریعہ خط حضرت خواجہؒ سے کیے تو حضرت خواجہؒ نے یہ مکتوب جواباً تحریر فرمایا۔ یہ بھی من وعن نقل کیا جا رہا ہے:

''مکرم ومحترم مولانا رشید الحق صاحب! مطالعہ فرماویں کہ سفرِ حج سے واپسی کے بعد آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ واپسی کے بعد سفر کی تھکان اور احباب کی کثرت سے آمد ورفت نے ڈاک دیکھنے کا موقعہ نہ دیا۔ بعد میں دیگر مصروفیات نے گھیر لیا۔ تا آنکہ (ربوہ) صدیق آباد کانفرنس کا وقت آگیا۔ وہاں کانفرنس کے موقعہ پر کسی صاحب نے ایک لفافہ ہاتھ دے دیا۔ وہ لفافہ ہفتہ عشرہ کے بعد کھولنے اور پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ اس فقیر کو ایسی ایسی مصروفیتوں سے اچانک اور بے ارادہ واسطہ پڑ جاتا ہے کہ جس کا وہم وگمان نہیں ہوتا۔ بہر حال آپ کے گرامی نامے ایسے ویسے تو تھے نہیں، کہ قلم برداشتہ جواب لکھ دیا جاتا!؛ اس لیے جواب میں تاخیر ہوتی رہی۔

آپ نے صدیق آباد ملنے والے گرامی نامہ میں فقیر کے ایک ساتھی کا ذکر کیا ہے؛ ان کے جواب اور مضمون کو ذہن میں نہ رکھیں۔ عفو اور درگزر ہی بہتر ہے۔ آپ کے گرامی نامہ میں والدہ مرحومہ کے انتقال کا درج تھا۔ جس سے افسوس ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ پاک مرحومہ کی مغفرت فرماویں اور ان کو اپنی قبر میں جنت کی اسائشیں اور

راحتیں عطا فرماوے اور آپ سب کو اس صدمے کا اجر عظیم عطا فرماویں اور صبر وسکون کرامت فرماوے۔ آمین

ا۔حضرات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کے ہاں اور فقیر کے خیال میں جملہ صوفیائے عظامؒ کے ہاں قوت متخیلہ کوئی چیز نہیں۔ یہ معقولیوں کی وضع کردہ ایک اصطلاح ہے۔ شریعت مطہرہ اور حضرات صوفیائے کرام کے ہاں فہم وادراک کے دو محل، جسد عنصری میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ کے پیش نظر مقرر فرمائے ہیں۔ ایک قلب اور دوسرا نفس۔ لہٰذا شریعت مطہرہ میں قلب کی کیفیت تصدیق، اذعان، یقین کے طور پر آتے ہیں اور نفس کے متعلق بھی امّارہ، لوّامہ اور مطمئنہ کے الفاظ سے اس کی کیفیات کا بیان ہوتا ہے۔ ان دو محل فہم وادراک میں اوّلیت قلب کو حاصل ہے اور نفس ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

لہٰذا مشائخ عظام حضرات نقشبندیہ مجددیہ نے خطرات ووساوس کا محل پہلے قلب کو قرار دیا ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں کہ اول اول خطرات ووساوس کا محل قلب کا جوف ہے۔ ذکر واذکار کی برکت سے اور اپنے شیخ کی توجہات کی بدولت خطرات ووساوس جوف قلب سے ہٹ جاتے ہیں اور قلب پر وارد ہونے شروع ہوجاتے ہیں۔ پھر قلب سے ہٹ کر حوالئ قلب پر آتے ہیں۔ پھر یہ خطرات ووساوس دماغ پر وارد ہوتے ہیں۔ یہی دماغ، نفس کا محل ہے۔ پھر محنت اور ریاضت اور ذکر کی برکت سے خطرات ووساوس دماغ سے بھی مرتفع ہوجاتے ہیں۔ پھر کہاں وارد ہوتے ہیں؟! یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآراء ہے۔ کیونکہ انسان جب تک بشریت کے لباس میں رہتا ہے؛ خطرات ووساوس کا وارد ہونا لازمی ہوتا ہے۔ ذکر واذکار کی برکت اور شیخ کی توجہات اور ریاضت ومجاہدہ کے ثمرات میں خطرات ووساوس کا محل بدلتا رہتا ہے اور ان کے موذی اثرات سے انسان ذاکر وسالک محفوظ رہتا ہے۔

سالک جب ذکر واذکار کا طریقہ اختیار کرتا ہے اور جب سالک کا باطن ذکر الٰہی سے مانوس ہوجاتا ہے تو پہلے ذکر کے دوران سالک پر عدمیت کی کیفیت وارد ہوتی ہے۔ اس عدمیت کا مطلب یہ ہے کہ سالک اپنے آپ کو اور اپنے وجود کو معدوم محسوس کرتا ہے۔ جب ذکر کے دوران یہ کیفیت وارد ہو تو اس وقت سالک ذکر بند کردے اور اس کیفیت کی طرف متوجہ رہے۔ جب یہ کیفیت چلی جائے تو پھر ذکر شروع کردے۔ ابتداءً یہ کیفیت لمحوں کی صورت میں آتی ہے اور آہستہ آہستہ بڑھنی شروع ہوجاتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ سالک ہمہ وقت اپنے آپ کو معدوم پاتا ہے۔ اس کیفیت کو عدمیت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں۔

اس کے بعد تجلی فعلی کا ورود ہوتا ہے۔ تجلی فعلی کا مطلب یہ ہے: اپنے فعل وہر حرکت کو اور عمل کو سالک اپنی طرف منسوب نہیں کرتا۔ جب اس کیفیت کو پختگی حاصل ہوتی ہے تو اس کے بعد وساوس وخطرات میں کمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ وساوس وخطرات قلب سے بالکل مرتفع ہوجاتے ہیں اور فنائے قلب کے اثرات شروع ہوجاتے ہیں۔ فنائے قلب کے رسوخ کے لیے ''مدت مدیدۃ'' درکار ہے جیسا کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کا ارشاد آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ بہرحال فنائے قلب کے لیے حضور ویادداشت لازمی ہے اور ان کے بغیر فنائے قلب متصور نہیں۔

۲۔فنائے نفس تو تمام لطائف کی فنا کو متضمن ہے۔ یہ صحیح ہے، لیکن فنائے قلب بغیر فنائے نفس کے متصور ہے۔ لیکن صرف لطائف کے ذاکر ہوجانے سے فنا متصور نہیں ہوتی۔ لطائف عشرہ کے بعد مشائخ عظامؒ نفی واثبات کا ذکر کراتے ہیں۔ اس کے بعد ولایت صغریٰ کے مراقبات شروع کرواتے ہیں۔ ان مراقبات کے دوران فنائے قلب کا عمل بھی ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ انعام فرماتے ہیں۔ ذکر واذکار کے نتیجہ میں جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہوتا ہے وہ

وہبی ہے۔البتہ اس کے ذرائع کسبی ہیں۔بعض سالکین کو ذکر واذکار کرتے کرتے مدتیں گزر جاتی ہیں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا۔ایسے سالکین کے لیےان کا شیخ اگر صاحبِ کشف ہے،تو وہ شیخ اپنی صوابدید کے مطابق تربیت کرتا ہے۔

۳۔حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان کہ:سلوکِ مقامات عنقریب مسدود ہوجاوے گا!! اس کا مطلب حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ لیا ہے کہ یہ فرمان اپنے انتقال کی طرف اشارہ ہے۔

حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سجادہ نشین ہے اور اپنے دور میں اس سلسلے کے امام ہیں اور تمام ممالک اسلامیہ میں حضرت کے خلفاء موجود رہے ہیں اور ہندوستان میں اُس دور میں حضرت شاہ صاحبؒ کے ہم پلہ کوئی شیخ نہیں تھا۔اس کے باوجود حضرت شاہ غلام علی شاہ دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں:

''بدانکہ ایں ولایاتِ ثلاثہ وایں کمالاتِ ثلثہ وحقائقِ سبعہ ودیگر مقامات، ہمہ متوسلان ایں خاندان شریف را میسر نیست۔بعضے بولایتِ کبریٰ وقلیلے بہ کمالات ثلاثہ، ونادرے بحقائق سبعہ وجز آں فائز می شود۔ازیں است کہ درحالات وتاثیرات ایں عزیزاں تفاوت ھا است کہ حالات وعلوم ہر مقام جدا است''

حضرت مرزا صاحبؒ کے کلام کا مطلب بھی یہی لیا جاسکتا ہے کہ ان مقامات کی پوری پوری تکمیل والے حضرات قلیل ہوں گے،اکثر اس راہ پر چلنے والے ان مقامات پر فائز نہیں ہونگے۔

۴۔حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان جو آپ نے تحریر فرمایا ہے: تیس سال سلوک کے اور پنتیس سال تسلیک کے گزر چکے ہیں۔یہ فرمان حضرت نے اپنی بےنفسی کی بنا پر فرمایا ہے۔لیکن ہر مقام کے بیشمار مدارج ہیں،ممکن ہے فنائے قلب کے اعلیٰ وارفع مقامات مراد ہوں۔

۵۔''قطب''،''فرد''اور''اوتاد''وغیرہ ایک علیحدہ شعبہ ہے۔یہ تکوین کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کیا کیا شرائط مقرر فرمائے ہوئے ہیں،فقیر کو اس کا کوئی علم نہیں۔

آپ کے سوالات معمولی اور تمہیدی نہیں، یہ بڑے مشکل سوالات ہیں۔معلوم نہیں آپ کی اس جواب سے تسلی ہوگی یا نہیں۔

''دلائل الخیرات'' کی فقیر کی طرف سے اجازت ہے۔اللہ تعالی باعث برکت کرے۔آمین۔ ہمارے مشائخ ''دلائل الخیرات'' تنہا نہیں تلاوت فرماتے تھے۔پہلے قرآن پاک کی تلاوت کی ،اس کے بعد اس روز کی ''دلائل الخیرات'' کی ایک منزل تلاوت کرلی۔ برکت کے لیے تعویذ جو یہاں معمول ہے وہ اصحاب کھف والا تعویذ ہے اور یہ تعویذ''تذکرۃ الرشید'' کے آخر میں درج ہیں۔اس کی بھی اجازت ہے اللہ تعالی باعث برکت کرے۔آمین۔آمدن میں برکت کے لیے اپنے مشائخ موسیٰ زئی شریف کا ایک درود شریف معمول ہے، وہ اپنی سہولت کے ماتحت ایک تعداد مقرر کرلیں اور اس کو ہمیشہ جاری رکھیں: ''اللّٰھم صلِّ علیٰ سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد أفضل صلواتك بعددِ معلوماتِك وبارِك وسلِّم ''یہ ہے۔

فقیر جواب میں تاخیر کی معافی چاہتا ہے،فقیر کی طرف سے سب کو سلام مسنون۔ والسلام''

یہ طویل پُر مغز اور دریا بکوزہ بند مکتوب،حضرت خواجہؒ نے اپنی وفات سے بائیس (۲۲) سال قبل تحریر فرمایا ہے۔

حضرت خواجہؒ نے اپنے مکتوب میں بعض سالکین کے باوجود مدت مدیدہ تک ذکر واذکار کے متاثر نہ ہونے کا ذکر فرمایا

ہے۔اس عدمِ تاثیر کے اسباب پر قدرے روشنی ڈالتا چلوں:

جیسے کہ دین و دنیا کے ہر علم و فن میں اسباب، شرائط اور موانع ہوا کرتے ہیں۔اسی طرح تصوف میں بھی بے شمار موانع ہیں۔گناہ کا مانع ہونا تو ظاہر ہے لیکن بعض عمل باوجود گناہ نہ ہونے کے، بلکہ باوجود سراسر نیکی اور خیر ہونے کے بھی مطلقاً مانع ہوتے ہیں۔چنانچہ تین آدمی اس فن میں ایسے ہیں جو پوری طرح فن تصوف میں ترقی نہیں کر سکتے۔فنا فی اللہ کا مقام تو ان تینوں کو بالکل حاصل نہیں ہوسکتا:

ا۔ایسا آدمی جس پر''لطیفہ خیالیہ'' یا''ادراکیہ'' یا''قوت تمیز'' غالب ہو اور وہ ان ہی کے اشارہ پر چلتا ہو، مقام فنا فی اللہ حاصل نہیں کر سکتا؛ کیونکہ فنا فی اللہ کا مدار تقلید، اعتقاد اور عشق شیخ پر ہے اور ایسا آدمی اپنی خود رائی کی وجہ سے اس سے محروم رہتا ہے۔زیادہ سے زیادہ مقام صفاء حاصل کر سکتا ہے اور اصلاح یافتہ ہوسکتا ہے۔

۲۔ایسا آدمی جو کثیر المطالعہ ہو یا انہماکِ علمی رکھتا ہو، مقام فنا فی اللہ حاصل نہیں کر سکتا بلکہ ابتدائی تاثر بھی بڑی مشکل سے حاصل کر سکتا ہے۔خواہ کثرت مطالعہ اور انہماک علمی تدریس کے رنگ میں ہو یا تصنیف کے لیے یا محض شوقیہ ہو۔اسی لیے صاحبِ فن مشائخ کرام بوقتِ بیعت ایسے آدمی کے لیے مطالعہ اور کتب بینی پر پابندی لگا دیتے ہیں!وجہ اس کی یہ ہے کہ حضرتِ انسان عبارت ہے بہیمیت اور ملکیت سے۔کثرتِ مطالعہ یا انہماکِ علمی قبل از فنا سے حیوانیت میں مزید ترقی ہوتی ہے بلکہ کثرت مطالعہ علامت ہی کسی بھی شخص کے قوی الحیوانیت ہونے کی ہے۔جبکہ فنا فی اللہ، حیوانیت کے ضعیف ہوئے بغیر اور ملکیت کے قوی ہوئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی اور دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ فنا فی اللہ، احدیتِ صرفہ کی طرف عرصہ دراز کی دائمی توجہ چاہتی ہے، جبکہ کثرتِ مطالعہ اس دائمی توجہ سے مانع ہے۔اسی لیے کہا گیا ہے:

در کنز و ہدایہ نتواں یافت خدا را آئینہ دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

مشہور ہے کہ ایک شیخ الحدیث صاحب شیخ الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہونے گئے۔ساتھ ہی اپنے دو تین مقتدیوں کو بھی لے گئے۔چنانچہ حاجی صاحبؒ نے سب کو بیعت فرما کر لطیفہ قلب پر ذکر کا سبق عنایت فرمایا اور تین ماہ کرنے کا حکم دیا۔تین ماہ بعد جب سب حاضر ہوئے تو شیخ الطائفہ نے عوام الناس مقتدیوں کو دوسرا سبق عنایت فرما دیا، لیکن شیخ الحدیث صاحب کو فرمایا کہ وہی پہلا سبق کرتے رہے۔پھر تین ماہ بعد آنے کا کہا۔ظاہر ہے شیخ الحدیث صاحب نے محسوس کیا ہوگا کہ عوام آگے نکل گئے، میں پیچھے رہ گیا۔اتفاق سے تین ماہ بعد پھر اکھٹے حاضر ہوئے تو حاجی صاحبؒ نے عوام کو تیسرا سبق عنایت فرمایا اور شیخ الحدیث صاحب کو حسب سابق اسی سبق اول کا حکم دیا۔شیخ الحدیث صاحب اس دفعہ ذہنی طور پر تیار ہو کر تشریف لائے تھے کہ اگر وہی سبق ملا تو احتجاج کروں گا!!چنانچہ عرض کی کہ یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ مجھ پر سبق نے اثر نہیں کیا؛ اسی لیے اگلا سبق نہیں ملتا۔یا تو ہر دفعہ حضرت یوں ہی فرماتے رہیں گے کہ اسی سبق کو کرو!!اور یا پھر اس عدم تاثر کا حل فرمائیں؟ حاجی صاحبؒ جہاندیدہ کامل العقل شیخ تھے۔ان کا رسمی عالم نہ ہونا سب کو معلوم تھا۔اس لیے بخاطر مصلحت فرمایا کہ رشید احمد کے پاس چلے جائیں۔چنانچہ شیخ الحدیث صاحب حضرت گنگوہیؒ کے پاس پہنچے۔آمد کی وجہ پوچھنے پر سارا قصہ بتا دیا۔حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ تین ماہ بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھانا موقوف رکھیں اور سبق یہی پہلا جاری رکھیں۔یہی بات حاجی صاحب بھی فرمانا چاہتے تھے، لیکن ان کے فرمانے سے مفاسد پیدا ہوسکتے تھے۔اسی لیے حضرت گنگوہیؒ کے حوالے فرمایا۔حضرت گنگوہی چونکہ خود بھی حدیث پڑھاتے تھے، ان کے فرمانے میں مفاسد نہ تھے۔چنانچہ شیخ

الحدیث صاحب اس عرصے میں ذکر سے متاثر ہونے لگے۔

غرض یہ کہ حدیث شریف خصوصاً بخاری شریف پڑھانے کے انتہائی اعلیٰ نیک عمل ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں لیکن ہرفن کے اپنے اصول ہیں، انہی پر کاربند رہنا پڑتا ہے۔

۳۔ کثیر العبادۃ الظاہرۃ: ظاہری عبادت مثلاً نماز، نفل، تلاوت، درود، استغفار، غرض یہ کہ لسانی اور قالبی عمل کی کثرت رکھنے والا، فنافی اللہ حاصل نہیں کرسکتا۔ اسی لیے مشائخ بیعت کرنے والوں کو سوائے فرائض، واجبات اور سنن موکدہ کے تمام اعمال ظاہرہ سے منع فرمادیتے ہیں۔ سوائے ذکر کے سب عبادتیں ممنوع ہوجاتی ہیں۔

عبادت ظاہرہ اگرچہ ملکیت کو بڑھاتی ہے، لیکن یہ عبادت ظاہرہ، باطن کی صفائی نہ ہونے کی وجہ سے محض رسمی ہونے کی بنا پر ملکیت ضعیفہ پیدا کرسکتی ہیں۔ جبکہ فنافی اللہ کے لیے ملکیت قویہ درکار ہے اور نیز عبادات ظاہرہ اس سٹیج پر اپنے اندر مشغول رکھنے کی وجہ سے ''احدیت صرفہ'' کی طرف دائمی توجہ سے مانع ہوتی ہیں۔

بارہ تیرہ سال قبل اسلام آباد میں ایک بزرگ عالم تشریف لائے، مجھ نالائق سے ملاقات کی خواہش کا پیغام بھیجا۔ چنانچہ بندہ نے ظہر کی چائے میں دعوت دے دی۔ تشریف لائے، نحیف ونزار، سن شریف نوے (۹۰) سے تقریباً متجاوز تھا۔ معلوم ہوا کہ دیوبند کے فاضل ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں فراغت ہوئی۔ فراغت کو بھی باسٹھ تریسٹھ سال ہوچکے تھے۔ خیر باتوں باتوں میں بندہ نے روحانی نسبت کا پوچھ لیا۔ مسکرانے لگے! فرمایا کہ بیعت تو رسمی سی عرصہ دراز قبل شیخ العرب والعجم حضرت مولانا عبدالغفور مدنیؒ سے کی تھی، لیکن ذکر سے میں ذرا بھی متاثر نہیں ہوسکا۔ بندہ نے عرض کی کہ اپنے شیخ سے رابطہ کرکے عرض کردیتے۔ فرمایا کہ وہ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے؛ البتہ کافی عرصہ بعد حج پر جانا ہوا تو وہاں عرض بھی کردی کہ میں ذکر سے متاثر نہیں ہوسکا۔ حضرت نے شفقت فرمائی اور رات کو اپنے حجرہ خاص میں ٹھہرنے کا فرمایا۔ خصوصی توجہ بھی فرمائی اور رات کو اپنی خاص چارپائی پر سونے کا فرمایا، لیکن دونوں باتوں سے میں متاثر نہ ہوسکا! صبح عرض کرنے پر دوبارہ توجہ فرمائی، لیکن بے سود؛ چنانچہ بندہ نامراد واپس ہونے لگا، تو فرمایا کہ پوری زندگی میں دو آدمی میری توجہات سے متاثر نہیں ہوسکے۔ ایک ''تم'' اور دوسرا ''کوئی اور''۔ اس کے بارے میں فرمایا کہ وہ بہت عبادت گزار تھا۔

بندہ راقم الحروف نے عرض کی کہ آپ کے عدمِ تاثیر کی کوئی وجہ بیان نہیں فرمائی؟ کہنے لگے نہیں۔ میں نے عرض کی کہ وہ وجہ میں بیان کردوں؟!! فرمانے لگے: ضرور بیان کریں۔ بندہ نے عرض کی کہ آپ کثیر المطالعہ ہیں۔ مولانا باوجود نحیف ونزار بوڑھے ہونے کے اچھا خاصا اچھل پڑے! اور فرمایا کہ اوہو! میں تو واقعی کتابی کیڑا ہوں!! میری ساری زندگی اسی مطالعے میں ہی گزر گئی ہے اور لوگ بھی مجھے کتابی کیڑا ہی کہتے ہیں۔

غرضیکہ بہت سے اچھے کام بھی اس لائن کے موانع میں سے ہیں۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ تینوں آدمیوں میں سے اوّل الذکر مطلقاً فنافی اللہ کی استعداد نہیں رکھتا، لیکن کثیر المطالعہ وکثیر العبادۃ عرصہ دراز تک علی حسب الاستعداد والریاضۃ ان کاموں کو چھوڑنے سے استعداد حاصل کرسکتے ہیں۔ کہیں مولویان کرام مجھ نالائق پر فتویٰ ہی نہ جڑ دیں کہ یہ امت کو کدھر لے جا رہا ہے!! خدانخواستہ ایسی بات نہیں۔ میں تو ذکر وفکر کی محنت کے تھوڑے عرصے میں رنگ لانے کا اصول بیان کر رہا ہوں تاکہ:

آنچہ دانا کُند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار

کا مصداق نہ بنے!!

اگر لوگ خفا نہ ہوں تو خدا لگتی کہہ دوں: کہ تمام انبیاء علیم الصلوات والتسلیمات اور انکے برگزیدہ اصحاب کرام کی نسبت کی بلندی کی ایک خاص وجہ مطالعہ اور اسباب مطالعہ کا فقدان تھا۔ وہاں تو سراسر عمل، اخلاص، روحانیت تھی۔

حاصل کلام یہ کہ فنا فی اللہ سے قبل کثرت مطالعہ وعبادۃ ظاہرہ موانع میں سے ہیں۔ ہاں! ایسا آدمی جو فنا وبقا حاصل کر چکا ہو، اس کو کثرتِ مطالعہ کتبِ شریعہ خصوصاً کتبِ حدیث وتفسیر کا مطالعہ، اسی طرح عبادۃ ظاہرہ کی کثرت بھی سراسر ترقی بخش ہے۔ غرض یہ کہ ''جائے استاد خالی است'' کے بموجب ہر فن استاد سے ہی سیکھنا پڑتا ہے اور یہ اصول وضوابط کے تحت ہی ہوسکتا ہے۔

حضرت خواجہؒ نے آخری خط اپنی وفات سے دس سال قبل مجھ نالائق کو تحریر فرمایا۔ بندہ ایک دفعہ اپنے شاگردِ خاص مرید ِخاص مولوی نیاز احمد شاہ صاحب سے اس کی مسلسل نالائقیوں کی وجہ سے ناراض ہوا اور مجلس میں حاضر ہونے پر پابندی لگا دی۔ انہوں نے بڑی چالاکی سے حضرت خواجہؒ کے دامن عاطفت سے سفارش چاہی تو حضرت خواجہؒ نے اس کی عرض قبول فرماتے ہوئے مجھ نالائق کو مکتوب تحریر فرمایا۔ اس مکتوب کے وقت یہ نالائق اپنی تمام کوتاہیوں کے باوجود، عرفِ عام میں چونکہ ''شیخ صاحب'' کے نام سے مشہور ہو چکا تھا۔ اس لیے حضرت خواجہؒ نے اسی عرف کا لحاظ فرماتے ہوئے اسی لقب سے یاد فرمایا ہے۔ خط کیا ہے، باوجود اختصار کے ''ہم نے ہر ادنی کو اعلی کر دیا'' کا مکمل عکاس ہے؛ من وعن نقل کیا جا رہا ہے:

''بگرامی خدمت جناب محترم شیخ صاحب زید مجدکم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سلام مسنون کے بعد گزارش ہے کہ حاملِ رقیمہ ہذا نیاز علی شاہ صاحب جناب کے مخلص خادم حاضر ہو رہے ہیں۔ اپنی شفقتوں سے اُن کو سرفراز فرماویں۔ اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرماویں گے اور فقیر دل وجان سے شکر گزار ہوگا۔''

ان آخری دس سالوں میں حضرت خواجہؒ نے رفتہ رفتہ اپنی پیرانہ سالی کمزوری اور بیماری کی بنا پر خط وکتابت ترک فرمادی تھی۔ ورنہ بہت ساری اہم فنی باتیں پوچھنے کے قابل تھیں۔ جن کا جواب صرف حضرت خواجہؒ ہی عنایت فرما سکتے تھے: اے بسا آرزو کہ خاک شدہ اور ساتھ ہی خاموشی بھی بہت بڑھ چکی تھی۔ تجلیات عالیہ عظیمہ کی بنا پر، باوجود شفیق ہونے کے ہیبت وجلال محسوس ہونیکی بنا پر زبانی بھی پوچھنے کی ہمت نہ ہوسکتی تھی۔

پیش جاناں قوت گفتار بودے کاشکے

سانحۂ وفات

حضرت خواجہؒ کی وفات سے دو دن قبل بندہ نے ایک خواب دیکھا: دفعۃً ذہن حضرت خواجہؒ کی وفات کی طرف منتقل ہوا۔ دل دھک سے رہ گیا!! فوراً خانقاہ شریفہ رابطہ کیا لیکن نہ ہوسکا۔ چنانچہ اسلام آباد میں حضرت کے میزبان حاجی یعقوب صاحب سے معلوم ہوا کہ حضرت واقعی بیمار ہیں اور ملتان میں سیال کلینک میں زیر علاج ہیں۔ اعتقادِ روحانی بھی عجیب چیز ہے!! بندہ نے خواب اور اپنی پریشانی کا ابھی تک کسی سے اظہار بھی نہیں کیا تھا۔ کہ اُسی رات بقول معتقدین: بندہ نے ایک قریبی مرید ومعتقد کو خواب میں بتایا کہ حضرت خواجہؒ وفات پا چکے ہیں! دیکھنا جنازے سے رہ نہ جانا۔ جبکہ دوسرے معتقد کو کہا: کہ تین بجے جنازہ ہے، سب ساتھیوں کو بتا دو اور سب جنازے پر پہنچنے کی فکر کریں اور بندہ کے ایک مرید کو جو بیرون ملک

قیام پذیر تھا؛ حضرت خواجہؒ نے خود خواب میں فرمایا: کہ میں ایک ہفتے بعد وفات پا رہا ہوں جنازہ پر پہنچنا: چنانچہ وہ ہفتے بعد بدھ کی شام لاہور ائرپورٹ پر پہنچا اور اگلے دن سیدھا جنازہ پر حاضر ہوا۔ سچ ہے:

ما شما را بہانہ ساختند

چنانچہ خواب کے دو دن بعد شام کو کھانے کے بعد مدرسہ کے مدرس قاری زاہد صاحب نے اپنا موبائل فون بندہ کے سامنے کر دیا۔ جس میں امام وقت حضرت خواجہؒ کی وفات کی وحشت ناک خبر تھی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

دنیا کے طول و عرض میں یہ خبر سب معتقدین پر بجلی بن کر گری۔ لیکن چونکہ آنحضرت جل سلطانہ کا نظام ہی ایسا ہے صبر کے بغیر کوئی چارہ نہیں!!

خنک روزے بود یا بیم اگر خضر ہدایت را — کہ راہوارِ یقین ما بصحرائے گمان گم شد

اگلے دن احباب کے ساتھ جنازے پر حاضر ہوا تو انسانی سروں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر، ''عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے'' کا سماں پیش کر رہا تھا۔ جنازے کے بعد بچشم گریاں و دل بریاں سر پر خاکِ محرومی ڈالتے ہوئے واپسی ہوئی۔ حیات عنصری میں اب شوقِ دیدار ہمیشہ بے کل ہی رکھے گا!!

مئے وصل نیست وحشی بخمارِ ہجر خو کن — کہ شرابِ نا امیدی غم دردِ سر ندارد

حضرت خواجہؒ کی وفات وحسرتِ آیات سے عالمِ اسلام کا اتنا بڑا عظیم نقصان ہوا ہے، کہ قطع نظر رسمی الفاظ کے عالمِ اسباب میں اس کی تلافی یقیناً ناممکن ہے۔ حضرت حق جل مجدہ حضرت خواجہؒ کے ساتھ یقیناً ان کے شایان شان سلوک فرمائیں گے اور مقعدِ صدق کے مقامِ عالی سے سرفراز فرمائیں گے۔ ہم پسماندوں کو حضرتِ حق، حضرت خواجہؒ کی نسبت کے طفیل اپنے قرب و معرفت سے بہرہ ور فرمائیں اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

مکاشفہ

حضرت خواجہؒ کی وفات کے دو چار دن بعد راقم الحروف کے ایک قریبی صاحب کشف مرید و معتقد نے مکاشفہ میں دیکھا: کہ راقم الحروف نے حضرت خواجہؒ سے پوچھا کہ حضور برزخ میں کیسی رہی؟ تو حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ خلاف توقع رہی۔ میرا خیال تھا کہ قبر میں حسب معمول مجھ سے سوال وغیرہ ہوگا؛ لیکن قبر میں ڈالے جانے کے ساتھ ہی قبر تا حد نگاہ فراخ ہوگئی۔ جنت کی کھڑکی کھول دی گئی۔ منکر نکیر کی بجائے دو فرشتے بطور خادم کے بھیجے گئے کہ جو خدمت ہو، ان سے فرما دیں، بجا لائی جائے گی۔ تمام مشائخ کرامؒ نے میرا استقبال کیا اور خاص ''لَے'' میں سب نے میرے آنے کی خوشی میں اسم ذات کا جہری ذکر کیا، اور میری آمد پر برزخ میں مشائخ نے تین دن جشن خوشی منایا۔ تین دن کے جشن کے بعد خواجہِ کائنات حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دربار عالی میں بلایا، میں حاضر ہوا؛ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ختم نبوت کے کام کے طفیل مجھ پر توقع سے زیادہ عنایات فرمائیں اور اب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی ہوتا ہوں۔

کشف وکشوف اگرچہ کوئی شرعی حجت نہیں، لیکن اس میں کوئی بات خلاف شرع بھی نہیں۔ میرا اعتقاد ہے کہ یقیناً ایسا ہی بلکہ اس سے بھی بہت اعلیٰ معاملہ حضرت حق جل مجدہ نے حضرت خواجہؒ کے ساتھ فرمایا ہوگا۔ آنحضرت جل سلطانہ ہمیں حضرت خواجہؒ کی ہمہ قسم، خصوصی طور پر روحانی برکات دائمی طور پر نصیب فرمائیں۔ آمین یارب العالمین والحمد للہ رب العالمین۔